مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سفرنامۂ بیت المقدس

جس میں مسجد اقصیٰ، بیت المقدس کے مبارک مقامات، اصحابِ کہف کا غار،
بحرِ مُردار، اُردن اور مصر کے تاریخی مقامات، اہرام مصر، جامعہ ازہر وغیرہ کا
آنکھوں دیکھا حال اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو شریک سفر
محسوس کرے اور عبرت وموعظت کے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ناشر

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

طبع اول ۱۴۴۰ھ — ۲۰۱۹ء

کتاب	:	سفرنامۂ بیت المقدس
تالیف	:	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صفحات	:	۴۸
کمپیوٹر کتابت	:	مولانا محمد نصیر عالم سبیلی (فون نمبر: 9959897621)
سرورق	:	العالم اُردو کمپیوٹرس ،کوتہ پیٹ ، بارکس ،حیدرآباد
سن طباعت	:	رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ ،مئی ۲۰۱۹ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار

ناشر

المعہد العالی الاسلامی

تعلیم آباد ،قباء کالونی ،شاہین نگر ،حیدرآباد

فہرست مضامین

● ● ●

ابتدائیہ

یہ حقیر ایک زمانہ سے قُدس محترم کے سفر کا مشتاق تھا؛ کیوں کہ یہ وہ مقدس سرزمین ہے، جس کے مبارک ہونے کا خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر کیا ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ . (بنی اسرائیل:۱)

پاک ہے وہ ذات، جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے آس پاس میں ہم نے برکتیں رکھ دی ہیں؛ تا کہ ہم ان کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھا دیں، یقیناً اللہ ہی خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہیں۔

چنانچہ یہ دیرینہ آرزو ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ، جنوری ۲۰۱۹ء میں پوری ہوئی، ہمارا یہ سفر Adventure Tours & Travels (حیدرآباد) کے ذریعہ ہوا، اس ٹور کے مالک میرے عزیز دوست جناب عبدالرشید صاحب ہیں، اور ہمارے قافلہ کے منتظم ان کے برادر بزرگ جناب عبدالوحید صاحب تھے، اس قافلہ میں ۲۴/افراد شریک تھے، چند حضرات اپنی فیملی یا بچوں کے ساتھ تھے، بقیہ تنہا تنہا، ان کے نام اس طرح ہیں :

۱-۶ جناب عبداللطیف خان، ان کی اہلیہ، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں، عبداللطیف خان ایم ایس گروپ کے فاؤنڈر اور ڈائریکٹر ہیں، اللہ نے ان کو دینی مزاج، دعوتی جذبہ، تعلیمی شعور اور بردبار مزاج عطا کیا ہے۔

۷-۸ جناب سید غلام احمد قادری، کریم نگر کے رہنے والے ہیں، اور وہاں کی مجلس اتحاد المسلمین کے عہدہ دار بھی ہیں، یہ اپنی اہلیہ کے ساتھ شریک سفر تھے۔

۹-۱۰ جناب وجاہت اللہ ایاز مع اہلیہ، یہ حیدرآباد اور کریم نگر میں مختلف اسکولوں کے بانی اور ڈائریکٹر ہیں اور دینی اعتبار سے جماعت اسلامی سے وابستہ ہیں۔

۱۱-۱۲ جناب محمد الیاس صاحب مع اہلیہ (کریم نگر)، یہ بھی ماشاء اللہ اچھا دینی ذوق رکھتے ہیں اور جماعت اسلامی سے متعلق ہیں۔

۱۳-۱۵ اہل خانہ کے ساتھ چلنے والوں میں ایک نام اس حقیر کا بھی ہے، میری اہلیہ اور چھوٹی لڑکی اس سفر میں ساتھ تھیں، اور ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

۱۶- اس قافلہ کے سب سے بزرگ شخص جناب عبدالنعیم صاحب تھے، ان کی پیدائش ۱۹۴۷ء کی ہے، یہ مختلف ملکوں میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور ہندوستان میں بھی بڑے اہم عہدہ پر فائز رہے ہیں اور سائنٹسٹ ہیں۔

۱۷- ہمارے ایک اہم ساتھی شیخ نعیم الدین تھے، جواں سال، جواں ہمت، اور جذبہ خدمت سے معمور، اہم بات یہ ہے کہ یہ حیدرآباد کے پرانے شہر کے لب ولہجہ میں گفتگو کرتے اور ہنساتے تھے، اس سے سفر کی تھکان دور ہو جاتی تھی، خاص طور پر صحراء سینا کے طویل سفر میں ان کی ظرافت بڑا لطف دے گئی۔

۱۸-۲۴ جناب عبداللطیف خان، جناب عالم خان، جناب متین احمد خان، جناب محمد انور خان، جناب سید وحید علی، جناب فرقان شرجیل الزماں خان اور ٹور کے ذمہ دار جناب عبدالوحید: یہ حضرات زیادہ تر تجارت سے وابستہ ہیں اور فکری اعتبار سے بعض کا تعلق تبلیغی جماعت سے اور بعض کا جماعت اہل حدیث سے ہے۔

حالاں کہ اس قافلہ میں مختلف مسلک ومشرب کے لوگ شامل تھے، اور اُن کی عمریں بھی مختلف تھیں، بعض بوڑھے، بعض ادھیڑ عمر، بعض جوان اور بعض نوجوان؛ لیکن اس کے باوجود سبھی لوگ ایک دوسرے کی خوب رعایت کرتے تھے؛ اس لئے بہت ہی خوشگواری کے ساتھ سفر پورا ہوا، قافلہ میں شریک رفقاء کا تقاضا تھا کہ راقم الحروف اس کا سفرنامہ تحریر کرے، جب دوسرے احباب کو سفر کا علم ہوا تو ان کی طرف سے بھی اس کا تقاضا سامنے آیا؛ چنانچہ

اس حقیر نے پہلے دو قسطوں میں فلسطین کا سفر نامہ لکھا، جو روزنامہ منصف حیدرآباد، انقلاب ممبئی کے شمارہ: ۲۵ر جنوری - ۱ر فروری ۲۰۱۹ء شائع ہوا، پھر ایک قسط میں اُردن کا سفر نامہ لکھا گیا، جو شمارہ: ۸ر فروری ۲۰۱۹ء میں شائع کیا گیا، پھر دو قسطوں میں مصر کا سفر نامہ لکھا گیا، جس کی اشاعت: ۲۲ر فروری اور یکم مارچ ۲۰۱۹ء کو عمل میں آئی۔

بحمد اللہ یہ سفر نامہ بڑے شوق سے پڑھا گیا، ہندو پاک کے مختلف رسائل واخبارات نے اسے طبع کیا، کئی حضرات نے فون کیا کہ اس سفر نامہ کو پڑھ کر ہمارے اندر سفر بیت المقدس کا جذبہ پیدا ہوا، اور کئی لوگوں کے لئے یہ بے بضاعت تحریر بیت المقدس کے سفر کے لئے محرک بن گئی اور انھوں نے سفر کیا، میرے قدیم صاحبِ قلم دوست جن کو اللہ تعالیٰ نے اُردو زبان وادب کا خصوصی ذوق عطا فرمایا ہے، اور ان کی تحریر سے مولانا عبد الماجد دریابادیؒ کے طرز نگارش کی خوشبو آتی ہے، یعنی جناب ابن غوری صاحب، انھوں نے فون کر کے کہا: مجھے یہ تحریر پڑھ کر ایسا لگا کہ گویا آپ انگلی پکڑ کر ہمیں ہر جگہ لے جا رہے ہیں۔

بہر حال اب ان ہی دوستوں خاص کر اس مبارک سفر کے ایک بہت ہی اچھے رفیق جناب شیخ احمد قادری (صدر: مجلس اتحاد المسلمین، کریم نگر) کی خواہش پر یہ سفر نامہ الگ سے رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے، اس حقیر نے کوشش کی ہے کہ یہ سفر نامہ علمی تحقیقات اور مفسرین، مؤرخین اور سیرت نگاروں کے اقتباسات سے بوجھل نہ ہو جائے؛ بلکہ ایک ہلکا پھلکا سفر نامہ رہے؛ تاکہ لوگ اس میں دلچسپی محسوس کریں۔

دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے، اس سے مسلمانوں میں سفر بیت المقدس کا جذبہ بے کراں بیدار ہو جائے، جو آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے اور تیسری سب سے مقدس فراموش کردہ زمین کی یادوں کی خوشبو سے دل ودماغ معطر ہوں۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز.

خالد سیف اللہ رحمانی
(بیت الحمد، شاہین نگر، حیدرآباد)

۹ر شعبان ۱۴۴۰ھ
۱۵ر اپریل ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ (اللہ تعالیٰ ہر طرح کے شرور سے دونوں مقامات کی حفاظت فرمائے) کے بعد مسلمانوں کا تیسرا سب سے زیادہ قابل احترام مقام بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ ہے، یہ مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے، مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ زندگی میں بھی آپ ﷺ نے اس کو قبلہ کی حیثیت دی اور اس طرح نماز ادا کرنے کا اہتمام فرمایا کہ کعبۃ اللہ اور بیت المقدس دونوں سامنے پڑیں، پھر جب آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو مکۃ المکرمہ اور مسجد اقصیٰ کے دو مخالف سمتوں میں ہونے کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں تھی کہ دونوں کا استعمال ہو؛ چنانچہ سولہ سترہ ماہ تک آپ ﷺ نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا اور مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبلہ کی تبدیلی کا حکم آ گیا، اور مدینہ کی ایک مسجد میں نماز کے درمیان ہی مسلمانوں کو قبلہ تبدیل کرنا پڑا، جس کی یادگار ''مسجد القبلتین'' ابھی بھی مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

مسجد اقصیٰ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ کعبۃ اللہ کے بعد وہ دنیا کی اولین مسجد ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام، میں نے عرض کیا: اس کے بعد؟ ارشاد ہوا: مسجد اقصیٰ، میں نے پوچھا: ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فرق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس سال، (مسلم، حدیث نمبر: ۵۲۰) جن تین مسجدوں کے لئے آپ نے خاص طور پر سفر کی اجازت دی، ان میں ایک مسجد اقصیٰ ہے، جو بیت المقدس میں واقع ہے، (بخاری، حدیث نمبر: ۱۱۸۹) حضرت میمونہ بنت سعدؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ سے بیت المقدس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہی حشر ونشر کی زمین ہوگی، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۷۶۲۶)

جہاں آپ ﷺ نے مسجد حرام (مکہ مکرمہ) اور مسجد نبوی (مدینہ منورہ) میں نماز پر خصوصی اجر کا ذکر فرمایا، اسی طرح مسجد اقصیٰ میں بھی نماز ادا کرنے کو خصوصی اجر کا باعث قرار دیا کہ ایک نماز ادا کرنے پر پانچ سو نمازوں کا ثواب حاصل ہوگا، (مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۱۴۲۴) اور بعض روایتوں میں اس سے زیادہ کا بھی ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضور ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انھوں نے تین دُعائیں فرمائیں، جن میں سے تیسری دُعاء یہ تھی کہ جو شخص بھی اس مسجد میں نماز کے ارادہ سے آئے، جب وہ نماز پڑھ کر یہاں سے باہر نکلے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہوجائے، جیسے آج ہی وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اُمید ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ دُعاء بھی قبول ہوئی ہوگی، (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۱۴۰۸) مسلمانوں کے لئے اس مسجد کی فضیلت کا ایک خصوصی پہلو یہ بھی ہے کہ شب معراج کے موقع سے رسول اللہ ﷺ نے یہاں تمام انبیاء کرام کی امامت فرمائی، اور یہیں سے آپ ﷺ کا سفر آسمانی شروع ہوا۔

آپ نے شہر بیت المقدس میں مقیم ہونے کی بھی فضیلت بیان فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بیت المقدس سے اتنا قریب رہتا ہو کہ وہاں سے مسجد نظر آتی ہو، تو یہ جگہ اس کے لئے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، غرض کہ مسجد اقصیٰ کی ڈھیر ساری فضیلتیں منقول ہیں، اور خود قرآن مجید نے بھی متعدد مواقع پر کہا ہے کہ ہم نے اس کے گردوپیش برکتیں رکھی ہیں، (بنی اسرائیل:۱، اعراف:۱۳۷، انبیا:۱۷۵، سبا:۸۱) یہ برکت روحانی بھی ہے اور مادی بھی، روحانی برکت یہ ہے کہ بہت سے انبیاء کرام اسی خطہ میں آسودۂ خواب ہیں، اور مادی برکتوں میں سے ایک اہم چیز خوشگوار موسم اور زیتون کے ہرے بھرے باغات ہیں، قرآن مجید نے فلسطین کو ''مقدس سرزمین'' بھی قرار دیا ہے، (مائدہ:۱۲) اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی سرزمین میں میدان حشر قائم ہوگا، ان نسبتوں کی وجہ سے عرصہ سے دل میں آرزو کروٹ لیتی تھی کہ کبھی بیت المقدس میں حاضری کا شرف حاصل ہوجائے۔

اصحابِ کہف کی بستی میں

کبھی انسان کی تمنا خواب کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے؛ چنانچہ 1990-91ء کی بات ہے کہ میں رمضان المبارک میں والدہ اور اہلیہ کے ساتھ اس نیت سے سعودی عرب گیا کہ عمرہ کرنے کے بعد حج تک کا وقت جدہ میں گزار لیں اور حج سے فارغ ہونے کے بعد ہندوستان واپس ہو جائیں، اس زمانہ میں یاسر عرفات اور اسرائیلی حکومت کے درمیان گفتگو جاری تھی، اس وقت کی اسرائیلی حکومت بہ مقابلہ موجودہ حکومت کے نسبتاً بہتر تھی، اور بظاہر صلح پسند معلوم ہوتی تھی، کچھ اس انداز کی بات چل رہی تھی کہ بیت المقدس اسرائیلی اور فلسطینی دونوں مملکتوں کی راجدھانی ہو اور اس کا انتظام دونوں مشترکہ طور پر سنبھالیں، دل میں خیال آتا تھا کہ جیسے پہلے مسلمانوں کو بیت المقدس کے سفر کی سہولت تھی اور بہت سے لوگ حرمین شریفین کی زیارت سے فارغ ہو کر اس تیسرے حرم کی بھی زیارت کیا کرتے تھے، شاید اب پھر اس کا راستہ کھل جائے، اس اُمید سے دل کو غیر معمولی مسرت تھی اور قبلۂ اول کی زیارت کی آرزو سینہ میں چٹکی لے رہی تھی کہ اسی دوران خواب میں دیکھا کہ گویا میں بیت المقدس گیا ہوں اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ رہا ہوں، اس خواب نے شررِ تمنا کو شعلہ بنا دیا اور گمان ہوا کہ شاید مستقبل قریب میں اللہ کی طرف سے اس خواب کی تعبیر ظاہر ہو؛ لیکن اس انتظار میں سالہا سال گزر گئے۔

میرے لڑکے محمد ظفر عابدین ندوی سلمہ (دبئی اسلامک بینک) کے یہاں جانے کا موقعہ ملا، تو ان کے ایک دوست جناب محمد نعیم صاحب سے ملاقات ہوئی، جن کی تجارت اُردن میں بھی تھی، ان سے معلوم ہوا کہ لوگ اُردن سے بذریعہ روڈ فلسطین جاتے ہیں، اور اسرائیل کی طرف سے اجازت کا پروانہ ملتا ہے؛ چنانچہ اسی اُمید پر اُن کے مشورے سے ٹکٹ بھی بنوالیا؛ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ ان کی معلومات ناقص تھیں، اصل میں انفرادی طور پر اسرائیل وہاں آنے کی اجازت نہیں دیتا؛ بلکہ گروپ کی شکل میں اجازت دی جاتی ہے؛ چنانچہ اب گروپ کی

تلاش شروع ہوئی اور حیدرآباد کے ایک ٹور گروپ Adventure Tours & Travels کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ گروپ لے کر مسجد اقصیٰ جاتے ہیں، اس گروپ کے ذمہ دار جناب عبدالرشید صاحب ہیں، اور ان کے معاون خاص ان کے بڑے بھائی جناب عبدالوحید صاحب، آخر نظامِ سفر میں بار بار کی تبدیلی کے بعد ۴/جنوری ۲۰۱۹ء کو جناب عبدالوحید صاحب کے ساتھ ہم لوگوں کا گروپ روانہ ہوا، عبدالوحید صاحب ماشاء اللہ نرم خو، بُردبار، مزاج شناس اور منتظم آدمی ہیں، انھوں نے اپنی طاقت بھر شرکاءِ سفر کو سہولت پہنچانے کی بھرپور کوشش کی، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، تاریخ کی تبدیلی کی وجہ سے قافلہ میں لوگ بھی گھٹتے بڑھتے رہے؛ لیکن آخر میں ۲۴/افراد رہ گئے، اس گروپ کی اہم بات یہ تھی کہ اس میں مختلف مسالک اور تنظیموں کے لوگ جمع تھے، اور تعلیم، سیاست اور تجارت سے مربوط ذمہ دار شخصیتیں شامل تھیں، کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ ریٹائرڈ گورنمنٹ ملازمین بھی تھے، متعدد حضرات اہل خانہ کے ساتھ شریک سفر تھے، اور سبھی حضرات سنجیدہ، مہذب اور ایک دوسرے کی رعایت کرنے والے تھے، خاص کر جو نوجوان تھے وہ خدمت کے جذبہ سے سرشار تھے۔

بہر حال ہم لوگ سعودی ایئر لائنز کے ذریعہ تقریباً ایک بجے دن حیدرآباد سے نکلے اور جدہ میں مختصر وقفہ کے ساتھ ساڑھے نو بجے شب اُردن کی راجدھانی عمان کے ایئر پورٹ پر پہنچے، یہ ایئر پورٹ اگرچہ بہت بڑا نہیں ہے؛ لیکن چھوٹا بھی نہیں ہے، جب ہم لوگ ایئر پورٹ پہنچے تو سارے لوگ ٹھنڈک سے کانپ رہے تھے، اور ٹھنڈک کی جتنی بھی چیزیں میسر تھیں، لوگوں نے وہ سب پہن رکھی تھیں، جیکٹ، سوئیٹر، اِنر، گرم پائجامہ، گرم موزے، دستانے اور سر پر گرم ٹوپی یا رومال، موسم کی خنکی کے ساتھ سرد ہوائیں لوگوں کی قوت برداشت کا امتحان لے رہی تھیں، اُردن ایئر پورٹ کا عملہ بہت شریف اور خوش اخلاق ہے؛ چنانچہ ہم لوگوں کو باہر نکلنے میں دیر نہ لگی اور چالیس پینتالیس منٹ میں سب لوگ باہر آ گئے، ہمارے ٹور آپریٹر نے وہاں کے مقامی ٹور آپریٹر سے اپنا رابطہ قائم کر لیا تھا، اور وہی پورے گروپ کے لئے گائیڈ، ٹرانسپورٹ، رہائش اور کھانے کا ذمہ دار تھا، جیسے ہی ہم لوگ باہر نکلے، آرام دہ لگژری بس کے

ساتھ میزبان کے نمائندہ باہر موجود تھے، ہم لوگ بس میں سوار ہوئے اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کا سفر طے کر کے اس ہوٹل میں پہنچے، جہاں ہمارا قیام تھا، یہ ہوٹل شہر کے قدیم علاقہ میں واقع ہے، جب ہم لوگ پہنچے تو کھانا آخری مرحلہ میں تھا؛ چنانچہ عبدالوحید صاحب کے حسبِ ہدایت کمروں میں جانے کے بجائے ہم لوگ سیدھے ریسٹورنٹ میں گئے اور کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں منتقل ہو گئے، بحیثیت مجموعی سفر تقریباً بارہ گھنٹے کا ہو چکا تھا، اور بہت سے لوگوں کو گزشتہ رات بھی سونے کا موقع نہیں ملا تھا، بعض حضرات کریم نگر اور اضلاع سے آئے تھے، ان لوگوں نے ۲۴ر گھنٹے سے آرام نہیں کیا تھا؛ اس لئے جلد ہی تمام لوگ گہری نیند کی آغوش میں چلے گئے، جہاں ایک طرف تکان کا شدت سے احساس تھا، وہیں غیر معمولی خوشی ومسرت بھی تھی کہ اس وقت ہم لوگ سر زمین شام میں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے جس کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور جو عہد نبوی میں موجودہ شام، اُردن، لبنان، اسرائیل اور فلسطین پر مشتمل تھا۔

پروگرام کے مطابق: ۵ر جنوری کو ہم لوگ صبح ساڑھے آٹھ بجے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر بس پر سوار ہوئے، یہاں ہمارے گائیڈ شیخ ہشام تھے، یہ ادھیڑ عمر کے تھے، قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے تھے؛ البتہ تھے ہندوستان کی فلمی دنیا کے عاشقوں میں، ہماری پہلی منزل وہ چرچ تھا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک ماہ یا ۴۰ر دن کا وقت گزارا تھا، گویا اعتکاف کیا تھا، یہ بڑا سا چرچ ہے جو عیسائی وقف کے زیر انتظام ہے، اس چرچ میں پینٹنگ کے ذریعہ تورات میں مذکور بعض واقعات کو ظاہر کیا گیا ہے، جیسے: حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش وغیرہ، یہ چرچ ایک پہاڑی پر واقع ہے، چرچ کے باہر ایک لمبا سا عصا اور اس میں لپٹا ہوا سانپ دکھایا گیا ہے، اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات — عصا اور سانپ — کی طرف اشارہ ہے، اس پہاڑ کی چوٹی سے دریائے اُردن اور بحر مُردار تک کا علاقہ نظر آتا ہے، لوگوں نے بتایا کہ جب موسم صاف ہوتا ہے تو قبۃ الصخرۃ (سنہرا گنبد) بھی نظر آتا ہے، یہودیوں کا خیال ہے کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس پہاڑی پر تشریف لائے تھے، انھوں نے یہاں مختصر قیام کیا تھا، اور یہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں بتایا تھا کہ خدا کی طرف سے کون سی سرزمین اُن کو عطا کی گئی ہے، اس روایت کی بنیاد پر یہود فلسطین، موجودہ اسرائیل اور اُردن کے بڑے حصہ کو ارض بنی اسرائیل قرار دیتے ہیں، اس پہاڑی سے خاصے فاصلہ پر پانی کے چند چشمے نظر آتے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کا خیال ہے کہ یہی وہ چشمے ہیں جو اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے پر نکل آئے تھے، تاہم یہ حصہ صحراء سینا سے کافی دُور ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی دُعاء کی تھی، یہ تمام واقعات جو اس خوبصورت اور بلند پہاڑی کی طرف منسوب ہیں، اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں، قرآن وحدیث میں ان کا تذکرہ نہیں آیا ہے، اس پہاڑ کا نام ''جبل موسیٰ'' ہے۔

یہاں سے ہم لوگ بالکل مخالف سمت میں چلے اور ڈیڑھ دو گھنٹے کا سفر طے کر کے اس میدان سے گزرے، جو ''موتہ'' کہلاتا ہے، یہ ایک مقام کا نام ہے، جہاں جمادی الاخریٰ ۸ھ میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی، اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے مختلف روسائے مملکت کو قبول اسلام کے لئے دعوتی مکتوب بھیجے؛ چنانچہ حارث بن عمیر ازدیؓ کو شام کے مقام بُصریٰ کے فرمارواکے پاس بھیجا، جب یہ موتہ کے پاس پہنچے تو قیصر روم کے ایک گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں قتل کر دیا؛ حالاں کہ اُس وقت روم کی طاقت سے مسلمانوں کی کوئی نسبت نہیں تھی؛ لیکن یہ بات ضروری سمجھی گئی کہ غسانی کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے؛ چنانچہ آپ ﷺ نے تین ہزار افراد پر مشتمل ایک فوج وہاں کے لئے روانہ کی اور حضرت زید بن حارثہؓ کو فوج کا امیر مقرر فرمایا، نیز یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کمان سنبھالیں، اور اگر ان کی بھی شہادت ہو جائے تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ امیر لشکر ہوں گے، اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے، وہ امیر ہوگا، اس مختصر فوج کے مدمقابل رومیوں کا لشکر جرار تھا، جو ایک لاکھ فوجیوں پر مشتمل تھا، مسلمانوں نے بہت ہی حوصلہ وہمت سے کام لیا؛ لیکن

تعداد میں غیر معمولی فرق تھا؛ اس لئے یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کے مقرر کئے ہوئے تینوں اُمرائے لشکر شہید ہو گئے، پھر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنے ہاتھ میں کمان لی اور اپنی ذہانت، بہادری اور صلاحیت کے ذریعہ مسلمانوں کی فوج کو کسی نقصان کے بغیر باہر نکال لائے، یہ واقعہ جمادی الاخریٰ ۸ھ میں پیش آیا۔

ہم لوگ میدان موتہ (جہاں جہاد کا واقعہ پیش آیا تھا) سے گزرتے ہوئے ان تینوں شہداء کے مزار پر حاضر ہوئے، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے مزارات ایک ہی جگہ پر واقع ہیں، اور وہاں ان صحابہ کی قبر کے ساتھ بڑی عظیم الشان مسجد تعمیر کی گئی ہے، جس میں وضوء اور استنجاء وغیرہ کی تمام سہولتیں حاصل ہیں، اور زائرین کی آمد ہوتی رہتی ہے؛ لیکن یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان قبروں پر سجدہ نہیں کیا جاتا، نہ حاجت مندوں کی چٹھیاں لگائی ہوئی ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں بزرگوں کے مزارات پر ہوا کرتا ہے، اس مسجد کی عمارت کی تجدید کا کام ۵۸۳ھ میں ہوا، یہاں سے کچھ فاصلہ پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی قبر ہے، وہاں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، حقیقت یہ ہے کہ جب آدمی صحابہ کی قبروں کی زیارت کرتا ہے تو لگتا ہے کہ وہ عہد نبوی ﷺ میں پہنچ گیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے رفقائے عالی مقام کی قربانیوں سے دل بھر آتا ہے۔

آج کے نظام میں اصحابِ کہف کے غار کو دیکھنا بھی شامل تھا؛ لیکن اس مقام پر پہنچتے پہنچتے جس کو اصحابِ کہف کی خواب گاہ قرار دیا جاتا ہے، عشاء کا وقت ہو چکا تھا، اصحابِ کہف کے غار پر آج کل ایک دروازہ لگا ہوا ہے، جو پانچ بجے شام میں بند کر دیا جاتا ہے، جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو دروازہ بند ہو چکا تھا، پہرہ دار سے گزارش کی گئی اور اس نے ان صاحب کو خبر کی، جن کے پاس کُنجی ہوتی ہے، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ ہم لوگوں کے مسافر ہونے کا خیال کرتے ہوئے آئے اور قفل کھولا، غار کے اندر بھی لائٹ لگی ہوئی ہے، ہم سب لوگ اندر گئے، غار کے اندر چار قبریں موجود ہیں، بقیہ تین قبریں نہ معلوم سطح زمین کے اندر ہیں یا شہر کے کسی اور حصہ میں، قرآن مجید میں جو تفصیل بتائی گئی ہے کہ سورج کا نکلنے اور ڈوبنے کے وقت

کچھ اس طرح گزرہوتا تھا کہ دھوپ اندر نہیں آتی تھی، غار کے سامنے کا دروازہ اور پیچھے کی طرف کا ایک کھلا ہوا حصہ اسی انداز کا ہے، ایک قبر میں اوپر کے حصہ میں چھوٹا سا سوراخ ہے، کہا جاتا ہے کہ اس سے انسانی ہڈیاں نظر آتی ہیں، ہمارے بعض ساتھیوں نے بھی موبائل کا ٹارچ روشن کر کے دیکھنے میں کامیابی حاصل کی، یہاں دُعاء کا اہتمام کیا گیا اور اصحابِ کہف کے واقعہ کو مختصر طور پر شرکاء کے سامنے پیش کیا گیا۔

قرآن نے نہ صرف اس واقعہ کا ذکر کیا ہے؛ بلکہ سورہ: ۱۸ ہی اسی نام سے ہے، واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ روم کا بادشاہ دقیانوس ایک بُت پرست بادشاہ تھا اور وہ کسی مسلمان کے زندہ رہنے کا روادار نہیں تھا؛ چنانچہ راجح قول کے مطابق سات مسلمان نوجوان اپنا ایمان بچانے کے لئے آبادی سے بھاگ نکلے، اور طرسوس نامی جگہ کے قریب ایک غار میں جا چھپے، اللہ تعالیٰ نے اُن پر نیند مسلط کر دی اور وہ تقریباً تین سو سال گہری نیند سوتے رہے، پھر جب آنکھ کھلی تو انھیں ایسا لگا کہ گویا صرف ایک آدھ دن سوئے ہیں، انھوں نے اپنے میں سے ایک شخص کو شہر بھیجا کہ کھانے کی چیزیں لے کر آئے، جب وہ شہر گئے تو سکہ دیکھ کر لوگوں کو اندازہ ہوا کہ یہ سینکڑوں سال پہلے کا سکہ ہے، اور پھر یہ راز کھلا، اس وقت اہل ایمان کی حکومت قائم ہو چکی تھی، یہ اپنے غار واپس آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی، پھر لوگوں نے اس غار پر ایک مسجد تعمیر کر دی، (کہف: ۲۱) اب وہ مسجد باقی نہیں ہے؛ لیکن اس سے متصل ایک بہت بڑی مسجد تعمیر کی گئی ہے، جو تمام سہولتوں سے آراستہ ہے، اس طرح اصحابِ کہف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا؛ اگرچہ اصحابِ کہف کے مقام کے سلسلہ میں مفسرین اور جغرافیائی ماہرین کی رائیں مختلف ہیں؛ لیکن قرائن کی روشنی میں بظاہر یہی مقام اصحابِ کہف کا معلوم ہوتا ہے، اصحابِ کہف کے اس واقعہ میں مسلمانوں کے لئے عبرت ہے کہ صاحب ایمان کو مشکل سے مشکل حالات میں بھی اپنے ایمان کی حفاظت کرنی چاہئے اور جب ایک مسلمان ثابت قدمی اختیار کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے غیبی مدد کا دروازہ کھلتا ہے۔

ہم لوگ رات گئے اپنے ہوٹل واپس آئے، اور دیر تک وہی مقامات دماغ پر چھائے رہے،

جہاں آج جانے کا موقع ملا تھا، آئندہ دن ہمیں فلسطین یعنی موجودہ غاصب اسرائیل کی طرف جانا تھا؛ چنانچہ صبح کو ہم لوگ اسی تیاری کے ساتھ نکلے، جاتے ہوئے عمان سے باہر ایک اور شہر میں پہنچے، اور کئی چڑھائیوں کو عبور کرتے ہوئے نسبتاً ایک اونچے پہاڑ پر آ کر رُکے، یہاں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قبر ہے، جو حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتے تھے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص تھے، اور ایسے ہی جاں نثار تھے جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے بعد انھیں نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا، قرآن مجید میں بھی دو مواقع پر ان کا ذکر خیر آیا ہے، (کہف: ۶۱، بقرہ: ۲۴۶) اور حدیث میں ان کے ایک معجزہ کا ذکر آیا ہے کہ انھوں نے جمعہ کے دن مشرکین کی کسی آبادی کا محاصرہ کر لیا تھا، تورات کی تعلیم کے مطابق ہفتہ کے دن جہاد کی ممانعت تھی؛ اس لئے انھوں نے دُعاء فرمائی کہ جب تک فتح حاصل نہ ہو جائے سورج غروب نہ ہو، اور معجزاتی طور پر ان کے حق میں یہ بات پوری ہوئی، (صحیح بخاری، باب من أحب النباء قبل الغزو، حدیث نمبر: ۳۱۲۴، صحیح مسلم، باب تحلیل الغنائم لہذہ الأمۃ خاصۃ، حدیث نمبر: ۱۷۴۷، فتح الباری: ۶/۲۲۱)۔

حضرت یوشع علیہ السلام کے نام سے جو قبر پائی جاتی ہے، وہ کافی طویل تقریباً ۱۲ رگز کے آس پاس ہے، اور اس پر سبز چادر بچھا دی گئی ہے، یہاں پر حضرت یوشع علیہ السلام کے نام سے ایک مسجد بھی ہے، یہاں کا منظر بھی بڑا پُر کیف ہے، سرسبز و شاداب پہاڑی، اونچی نیچی عمارتیں، نشیب و فراز میں بل کھاتی سڑکیں اور نیچے ہرے بھرے زیتون کے خوبصورت باغات، گویا دل کے سرور کے ساتھ آنکھوں کے سرور کا سامان بھی مہیا ہے۔

اسی دن ہم لوگوں کا گذر ''اَغوار'' نامی جگہ سے ہوا، جہاں دو جلیل القدر صحابہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح اور حضرت ضرارؓ بن اَزوَر کی قبریں ہیں، حضرت ابوعبیدہؓ کو خود بارگاہ نبوی سے ''امین اُمت'' کا خطاب ملا تھا، اور ان کے مرتبہ و مقام کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے لئے جن حضرات کا نام پیش کیا گیا، ان میں ایک نام اُن کا بھی تھا، عہد صدیقی میں آپ ہی لشکر شام کے امیر بنائے گئے، اور عہد فاروقی میں شام کے

گورنر مقرر ہوئے، حضرت ابوعبیدہؓ ہی کے ہاتھوں سلطنت روم مسلمانوں کے زیر اقتدار آئی، جو اُس وقت دنیا کی سُپر طاقت تھی؛ لیکن خود حضرت ابوعبیدہؓ کے زہد وفقر کا حال یہ تھا کہ حضرت عمرؓ جیسے درویش صفت فرماں روا کی آنکھیں بھی ان کی حالت دیکھ کر نم ہوگئیں۔

حضرت ابوعبیدہؓ کے بعد حضرت ضرارؓ کی قبر پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، شام کی فتوحات میں ان کی شجاعت و بہادری کا نمایاں حصہ ہے، اس میں اختلاف ہے کہ وہ کہاں شہید ہوئے؟ لیکن ایک روایت کے مطابق حضرت ضرار غزوۂ یرموک میں شامل تھے اور ان کا انتقال دمشق میں ہوا، اس وقت چوں کہ یہ پورا خطہ شام ہی کا حصہ تھا؛ اس لئے یہاں اُن کی قبر کا ہونا مستبعد نہیں، بہر حال یہاں بھی فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ان مقامات سے گزرتے ہوئے ہم لوگ سرحد پر پہنچے اور وہاں سے فلسطین میں داخل ہوئے۔

یہ بات بہت محسوس ہوئی کہ اُردن اور اس کی راجدھانی عمان شہری ترقی، صفائی ستھرائی، کشادہ سڑکوں اور خوبصورت مسجدوں کے اعتبار سے تو ہے ہی بہتر، اس کے ساتھ ساتھ وہاں کے لوگ بھی نرم خو، خوش گفتار اور محبت کرنے والے ہیں، مسافروں اور مہمانوں کے ساتھ عزت اور سلیقے سے پیش آتے ہیں، دینی کیفیت بہتر ہے، مسجدیں آباد ہیں، نمازوں کے بعد مسجد کے مائک سے قرأت قرآن مجید کا بھی رواج ہے، اور نوجوانوں کے چہرہ پر کثرت سے داڑھیاں بھی ہیں؛ البتہ مغربی سیاح بکثرت آتے ہیں اور ان کی آمد کی وجہ سے جو اثر پڑتا ہے، وہ ظاہر ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اُردن میں بھی اور مصر میں بھی مقامی سیاح نے ہندوستان سے بڑی محبت کا اظہار کیا، اور اس کا سبب بتایا کہ شاہ رُخ خان، سلمان خان اور امیتابھ بچن کا تعلق ہندوستان سے ہے، وہ خاص کر شاہ رُخ خان کا بار بار تذکرہ کرتا تھا، اس سے ان کی فکری پستی اور ثقافتی اعتبار سے منفی تبدیلیوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جو ایک سمندری سونامی کی طرح عالم عرب پر حملہ آور ہے۔

ارضِ فلسطین میں

بہر حال ہم لوگ دوپہر کو اسرائیل کے بارڈر پہنچے، جو ''اریحہ'' نامی شہر میں واقع ہے،

جس کو تورات میں ''جریکوٗ'' کا نام دیا گیا ہے، اور آج کل وہ اسی نام سے مشہور ہے، پہلے سے گائیڈ نے بتایا تھا کہ اسرائیلی بارڈر پر بہت پوچھ گچھ ہوتی ہے، اور پریشان کیا جاتا ہے؛ چنانچہ اس کا عملی تجربہ ہوگیا، پہلے تو سبھوں کی تلاشی لی گئی، پھر سامان ایک اسکرین مشین میں ڈالا گیا، جو ایئرپورٹ کی عام مشینوں سے کافی مختلف اور کافی بڑی تھی، پاسپورٹ کی پوری تفصیلات پہلے ہی منگوا لی گئی تھیں؛ لیکن پھر بھی گہرائی کے ساتھ تفتیش شروع ہوئی، تفتیش کے دوران ۱۴رلوگوں کو تو پاسپورٹ دے دیا گیا اور وہ باہر آ گئے؛ لیکن دس افراد روک لئے گئے اور ان سے مزید تفتیش کی گئی، ان سے جو سوالات کئے گئے، ان میں یہ بھی تھا کہ کیا آپ نے پاکستان کا سفر کیا ہے؟ یا کہیں آپ کی شادی پاکستان میں تو نہیں ہوئی ہے؟ وغیرہ وغیرہ، اسرائیلی سیکوریٹی کا ایک خاص طرز عمل یہ تھا کہ انھوں نے لوگوں کو بٹھا لیا اور مسلسل ان کی حرکات وسکنات پر نظر جمائے رہے، تقریباً چار پانچ گھنٹے ان حضرات کو اسی طرح بٹھائے رکھا، اور میرے بشمول بقیہ چودہ حضرات ایمیگریشن سے باہر بے چینی کے ساتھ وقت گزارتے رہے، کبھی کھڑے ہو کر، کبھی بیٹھ کر، کبھی چلتے ہوئے، ٹھنڈک اور اس کے ساتھ تیز ہوا کی وجہ سے سارے لوگ پریشان تھے، چار پانچ گھنٹے گزار کر تمام روکے ہوئے لوگوں کو جانے کی اجازت ملی، بظاہر اس کا مقصد آنے والوں کو ذہنی تکلیف پہنچانا اور ان کی آمد و رفت کی حوصلہ شکنی کرنا تھا، ویسے اسرائیل نے اس ایمیگریشن پوائنٹ کا نام شاہ حسین مرحوم (سابق فرمانروائے اُردن) کے نام پر رکھا ہے، اور ان کی متعدد تصویریں آویزاں کر رکھی ہیں۔

باہر نکل کر ہم لوگ بس میں بیٹھ گئے، پہلے اسی شہر میں کھانا ہوا؛ کیوں کہ ناشتہ کے بعد ہی سے سارے لوگ بھوکے تھے، یہ شہر بہت سرسبز وشاداب ہے، اور اس کا شمار دنیا کے قدیم ترین شہروں میں ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ بستی چھ ہزار سال قبل مسیح کی ہے، یہ بات بھی نقل کی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہیں کے ایک پہاڑ کے غار میں چالیس دن گزارے تھے، اور یہیں اندھوں کے بینا ہونے، برص زدہ شخص کے صحت مند ہونے اور مُردوں کے زندہ ہونے کا معجزہ پیش آیا تھا، وہاں سے یہ قافلہ بیت المقدس کی طرف چلا اور تقریباً رات کے دس

ساڑھے دس بجے ہم لوگ بیت اللحم میں واقع اس ہوٹل میں پہنچے، جس کا ہم لوگوں کے لئے فلسطین کے گائیڈ نے انتظام کر رکھا تھا، گائیڈ کا نام موسیٰ تھا، یہ انگریزی کے علاوہ بہت واضح عربی میں گفتگو کرتے تھے، معلومات بھی بہتر تھیں، یہ کافی معمر گائیڈ تھے، اور اسرائیلی سیکوریٹی والے ان سے واقف تھے؛ اس لئے آسانی ہوتی تھی۔

۷ ر جنوری کو ہم لوگ گائیڈ کی ہدایت کے مطابق ناشتہ کر کے ساڑھے آٹھ نو بجے روانہ ہوئے، پہلے ہمیں بیت اللحم میں واقع اس چرچ میں لے جایا گیا، جو عیسائیوں کے نزدیک ان کا سب سے مقدس مقام ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی ہے، یہ ایک پُررونق پہاڑی پر واقع ہے، جس جگہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کہا جاتا ہے، وہ کافی گہرا تہہ خانہ ہے، اس کے اوپر علامتی طور پر ایک خوبصورت منڈپ بنا ہوا ہے، جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے مجسمے ہیں، سطح زمین کے اوپر گول دائرے کی شکل میں ایک سوراخ ہے، یہ اتنا بڑا ہے کہ ہاتھ اندر داخل کیا جا سکے، جو عیسائی حضرات آتے ہیں، وہ اسی سوراخ سے اندر دیکھتے ہیں اور اسے بوسہ دیتے ہیں، یا اظہار عقیدت کے لئے پھول یا گڑیا اندر ڈالتے ہیں، ظاہری شکل بالکل سجدہ کی سی ہوتی ہے، وہیں سے ایک دو قدم کے فاصلہ پر ایک اور گہری سی جگہ بنی ہوئی ہے، جسے بچوں کا جھولا کہا جاتا ہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارہ تھا، عیسائی حضرات ان مقامات پر موم بتیاں جلا کر اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش اور گہوارہ نشیب میں ہے، اوپر سے سیڑھیوں سے اُتر کر نیچے پہنچنا ہوتا ہے، باب الداخلہ کچھ اس طرح بنایا گیا ہے کہ انسان کافی سر جھکا کر اندر داخل ہو سکے، محسوس ہوا کہ اس طرح قصداً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فرضی شبیہ کے سامنے جھکنے کی ایک شکل پیدا کی گئی ہے۔

اس سے متصل کئی بڑے ہال ہیں، بہت خوبصورت اور دیدہ زیب، ان ہالوں میں آمنے سامنے تین چرچ ہیں، مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک ہی عمارت؛ بلکہ ایک ہی ہال کے اندر تین چرچ کیوں ہیں؟ تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ عیسائیوں کے تین الگ الگ فرقے کیتھولک،

پروٹیسٹنٹ اور آرتھوڈکس کے چرچ ہیں، میں نے سوچا کہ لوگ مسلمانوں کے اختلاف کو اس قدر اُبھار کر پیش کرتے ہیں کہ گویا ہر مسلمان دوسرے کے خون کا پیاسا ہے؛ لیکن خود عیسائیوں کا حال یہ ہے کہ ایک ہی جگہ ایک دوسرے کے مدمقابل تین تین چرچ موجود ہیں۔

منزلِ شوق کی طرف

اس کے بعد ہم لوگ مسجد اقصیٰ کی طرف روانہ ہوئے، جس کا دیدۂ شوق کو شدت سے انتظار تھا، سیکوریٹی کے سخت انتظام کی وجہ سے خاصے فاصلہ پر واقع شارع عام پر بس سے اُتار دیا گیا اور یہاں سے یہ پورا قافلہ ان پگڈنڈیوں سے گزرتے ہوئے مسجد اقصیٰ تک پہنچا، جس کے دونوں طرف دوکانیں ہیں، اور جگہ جگہ غاصب اسرائیل کی سیکوریٹی فورس کے جوان مرد وعورت گن تھامے ہوئے کھڑے ہیں، اور آئے دن فلسطینیوں پر ظلم کرتے رہتے ہیں، مسجد اقصیٰ کے باب الداخلہ پر ان سیکوریٹی والوں کو اجازت نامہ دکھا کر داخل ہونا پڑتا ہے، گائیڈ کو اپنا لائسنس ان کے پاس رکھ کر جانا ہوتا ہے؛ تاکہ وہ تمام افراد کی واپسی کو یقینی بنائے، سیکوریٹی والوں کے چہروں سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں مسلمانوں کے یہاں آنے سے سخت تکدر ہے۔

بیت المقدس ایک فصیل بند شہر ہے، اس کے اندر مسجد اقصیٰ کا احاطہ ہے، جو بتایا گیا کہ ۳۶/۱ ایکڑ کے قریب ہے، قبلہ کی مخالف سمت سے اگر احاطہ میں داخل ہوا جائے تو سیڑھیوں سے گزرنے کے بعد ایک وسیع وعریض صحن ہے، جو سطح زمین سے کافی بلندی پر واقع ہے، پھر جب آگے بڑھیں تو پہلے قبۃ الصخرۃ سامنے آتا ہے، ''صخرۃ'' کے معنی چٹان کے ہیں، یعنی یہ گنبد اس چٹان پر ہے، جہاں سے رسول اللہ ﷺ کا سفرِ معراج شروع ہوا تھا، اسی کے اوپر وہ خوبصورت سنہرا گنبد ہے، جو دور سے نظر آتا ہے اور جس کو تصویروں میں مسجد اقصیٰ تصور کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس گنبد میں ۲۰۰ کیلو سونا لگایا گیا ہے، اموی خلیفہ عبدالملک ابن مروان نے ۶۶ھ میں اس کی تعمیر شروع کروائی اور ۷۲ھ میں اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے عہد میں اس کی

تکمیل ہوئی، موجودہ عمارت سلطان عبدالحمید اور سلطان عبدالعزیز کی مرمت کے بعد کی ہے، سلطان عبدالحمید ثانی نے اس عمارت کے چاروں طرف سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ یٰسین کی آیات خوبصورت پتھروں پر لکھوائی ہیں، یہ ہشت پہل عمارت ہے، اور ہر پہلو ۶۴ر فٹ لمبا ہے، اس کا قطر ۴۴، ۲۰ میٹر اور بلندی ۳۱ر میٹر ہے، جس چٹان کی وجہ سے یہ گنبد بنایا گیا، وہ تو اس کے ایک حصہ میں اور تہہ خانہ کے اندر ہے؛ لیکن یہ پوری عمارت ایک مسجد کی شکل میں ہے، جس میں پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں، پوری مسجد میں خوبصورت قالینیں بچھی ہوئی ہیں، اور نہایت مزین چھت ہے، جو کاریگری کا اعلیٰ نمونہ ہے، ہم لوگوں نے اسی میں ظہر وعصر کی نمازیں ادا کیں۔

قبۃ الصخرۃ کے پیچھے پھر ایک وسیع صحن ہے اور اس کے بعد مسجد اقصیٰ کی عمارت ہے، جس میں سرمئی رنگ کا گنبد ہے، سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے فتح بیت المقدس کے موقع سے اس کی تعمیر کرائی تھی، مشہور جغرافیہ داں مقدسی (متوفی: ۹۸۵ھ) نے اس کی لمبائی پندرہ سو فٹ اور چوڑائی ایک ہزار پچاس فٹ لکھی ہے، ۱۹۶۷ء میں جب اسرائیل نے اس پر غاصبانہ قبضہ کیا تو اس کے چودہ دروازے تھے، اس مسجد میں سات ہزار لوگوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، رنگین شیشوں سے مزین ۱۲۱ر کھڑکیاں، ۵۴ر ستون اور ۷ر ہال ہیں، مسجد کی موجودہ شکل میں ترکوں کا بھی حصہ ہے، اللہ جزائے خیر دے کہ انھوں نے چھتوں پر بڑی ہی دیدہ زیب مینا کاری کی ہے، یہ کئی ہالوں پر مشتمل ہے اور جیسے مسجد نبوی میں ترکوں نے چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے ہیں، دونوں کنارے کے ہال ایسے ہی گنبدوں پر مشتمل ہیں، مجھے حیرت ہوتی تھی کہ اسرائیلی غاصبین مسلسل نیچے کھدائی کر رہے ہیں، مسجد کو آگ بھی لگائی گئی، اور بارہا اسرائیلی فورسس کی طرف سے حملے بھی ہوئے؛ لیکن اس کے باوجود اس مسجد کے محفوظ رہنے کا ظاہری سبب کیا ہے؟ اس کا اندازہ مسجد کو دیکھ کر ہوتا ہے، اس کی دیواریں اتنی چوڑی اور اس کی بنیادیں اتنی مضبوط ہیں (جس کا اندازہ تہہ خانہ میں اُترنے کے بعد ہوتا ہے) کہ خصوصی منصوبہ بندی کے بغیر اس کو منہدم کرنا دشوار ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور یہودیوں کے شر سے مامون

رکھے، یہیں ہم لوگوں نے جماعت کے ساتھ مغرب وعشاء کی نماز ادا کی اور اللہ کی توفیق کے مطابق تمام ساتھیوں نے نماز، تلاوت اور دُعاء کا اہتمام کیا، راقم الحروف نے اپنے ساتھیوں کو مسجد کے ایک گوشہ میں جوڑ کر مسجد اقصیٰ کی فضیلت اور اس میں کئے جانے والے اعمال کے بارے میں ضروری باتیں عرض کیں، مغربی ملکوں سے آئے ہوئے بعض اُردو داں حضرات بھی اس مجلس میں شریک ہو گئے۔

یہ تو دو مسجدیں ہوئیں ''قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ'' جو ہمیں نظر آتی ہیں، اگلے روز ہم لوگ پھر مسجد اقصیٰ آئے تو حقیقی مسجد اقصیٰ جو اُس نظر آنے والی مسجد کے نیچے کافی گہرائی میں بنی ہوئی ہے، اور جس میں صحن سے سیڑھیوں کے ذریعہ پہنچا جاتا ہے، وہاں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی، یہ بھی بہت بڑی مسجد ہے اور یہ بھی دو تہوں میں ہے، ایک اوپری حصہ ہے اور پھر اس سے نیچے اصل مسجد ہے، اس کے ستون پتھروں کے ہیں، اور گول شکل میں ہیں، اور اتنے چوڑے ہیں کہ اگر ایک آدمی اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو تب بھی وہ ستون کو پکڑ نہ پائے، زمین سے لے کر چھت تک ایک ہی ستون ہے، اس طرح کے چار پانچ ستون بنے ہوئے ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات نے بنائے تھے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے کام لیا کرتے تھے، (النمل:۳۸-۴۰) اُس دور میں نہ گاڑیاں تھیں، اور نہ وزنی چیزوں کو اوپر چڑھانے کی ترقی یافتہ ٹکنالوجی، اس وقت انسان کے لئے ایسے پتھر کو تراشنا، انھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور ان کے اوپر چھت تعمیر کرنا بظاہر عقل کے باہر ہے، واللہ اعلم۔

اس اصل مسجد اقصیٰ کی سمت قبلہ میں محراب بنی ہوئی ہے، کہا جاتا ہے کہ اسی جگہ وہ محراب تھی، جہاں حضرت زکریا علیہ السلام نے نماز پڑھائی اور دُعاء کی تھی، ہم لوگوں نے بھی یہاں چند رکعات نفل ادا کرنے کا شرف حاصل کیا کہ شاید اللہ کے نبی کے نقش قدم کا لمس گنہگار پیشانیوں کے حصہ میں آجائے، دوستوں سے عرض کیا گیا کہ چوں کہ یہیں حضرت زکریا علیہ السلام نے اولاد کے لئے دُعاء مانگی تھی اور ان کی دُعاء قبول کی گئی؛ اس لئے جن حضرات کو اولاد نہ ہو، یا ان کے

متعلقین میں کسی کو اولاد نہ ہوتو انھیں یہاں اولاد کے لئے دُعاء کرنی چاہئے ، اس کی بائیں جانب تقریباً دوفٹ کی اونچائی پرایک اور ہال ہے، اس میں ایک کنواں ہے، اس کنویں کی اصل یہ ہے کہ صحابیۂ رسول حضرت میمونہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں بیت المقدس نہ جاسکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیل بھیج دو، جس سے روشنی کا انتظام ہوجائے ، وہاں کے لئے تیل بھیجنے والا وہاں جانے والے کی طرح ہے'' (ابن ماجہ، باب ماجاء فی الصلاۃ فی مسجد بیت المقدس)؛ چنانچہ لوگ بیت المقدس کے لئے تیل بھیجا کرتے تھے، اسی سے بیت المقدس میں روشنی کا انتظام ہوتا تھا، اور ۷۰۰ رقندیل جلائی جاتی تھی ، یہ تیل اسی کنویں میں ڈال دیا جاتا تھا، آج کل اس پر ایک لوہے کی جالی لگا دی گئی ہے، جھانک کر دیکھا جائے تو کوئی سیال چیز نظر آتی ہے، شاید یہ تیل کی بقیات ہوں۔

اس سے اور نیچے دائیں جانب گائیڈ ہم لوگوں کو لے کر گیا اور ایک مقام کا مشاہدہ کرایا، جہاں ایک جھولا نما پتھر رکھا ہوا ہے، بتایا گیا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے ولادت کے بعد یہیں توقف کیا تھا، یہیں صرف تین دنوں کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کی تھی ، اور حضرت مریم پر تہمت لگانے والوں سے کہا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں ، اللہ نے مجھ کو کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے: ''اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا'' (مریم:۳۰)

باب الرحمۃ سے ہم لوگ احاطۂ مسجد میں داخل ہوئے ، اور اسی احاطہ سے باہر بھی آئے ، راستہ میں بائیں جانب ایک بڑا چبوترہ ہے، جس میں صبرہ اور شتیلا کے وہ مظلوم مرد وعورت اور بچے بوڑھے مدفون ہیں، جن کا خبیث ولعین یہودیوں نے قتل عام کر دیا تھا، یہاں خاص طور پر فاتحہ پڑھنے کا اہتمام کیا گیا، اللہ مظلوم فلسطینیوں کی مدد فرمائے اور ملعون یہودیوں کو کیفر کردار تک پہنچائے، وماذالک علی اللہ بعزیز۔

۸ رجنوری کو ہم لوگ صبح اپنی قیام گاہ سے نکلے اور ایک بار پھر اس راستہ سے مسجد اقصیٰ کی طرف گئے، جس میں دیوار گریہ واقع ہے، اسی دیوار کے پاس کھڑے ہوکر یہودی عبادت کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے خیال میں تعمیر سلیمانی میں سے صرف یہی دیوار بچی ہوئی ہے،

وہ اس کو دُعاء کی قبولیت کی جگہ سمجھتے ہیں، یہ ایک بڑا صحن ہے اور اس کے بیچ میں جالیوں کے ایک طرف مرد کھڑے ہوتے ہیں، اور دوسری طرف عورتیں کھڑی ہوتی ہیں، جو عام طور پر لمبے سیاہ گون میں ہوتی ہیں، عجیب بات ہے کہ جو لوگ پوری دنیا میں عورتوں کی بے قید آزادی کا فتنہ پھیلا رہے ہیں اور مخلوط ماحول کی ترغیب دیتے ہیں، خود ان کے یہاں عبادت میں مردوں اور عورتوں کے الگ الگ رہنے کا تصور بھی ہے، اور اس پر سختی سے عمل بھی، یہ بات دیکھنے کو ملی کہ یہودی عوام بھی اور ان کی فوج اور پولیس کے لوگ بھی عام طور پر داڑھی رکھتے ہیں، اور ان کی مذہبی شخصیتیں — جو ''ربی'' کہلاتی ہیں — کی داڑھی تو سینے سے بھی نیچے تک ہوتی ہے۔

مسجد اقصیٰ سے باہر نکلنے کے بعد ہم لوگ کوہ زیتون پر لے جائے گئے، یہ شہر قدس کی سب سے اونچی پہاڑی ہے، یہاں سے صخرہ کا سنہرا گنبد بے حد خوبصورت نظر آتا ہے، اور نیچے دُور دُور تک زیتون کے ہرے بھرے باغات کا منظر بھی قابل دید ہے، اس پہاڑی کے نشیب میں یہودیوں کا کافی بڑا قبرستان ہے، وہ بھی مسلمانوں کی طرح مُردوں کو زمین میں دفن کرتے ہیں، اسی پہاڑی پر حضرت سلمان فارسیؓ کے نام سے ایک گنبد بنایا گیا ہے؛ لیکن یہ ان کی قبر نہیں ہے؛ بلکہ یہ وہ جگہ ہے، جہاں کچھ عرصہ انھوں نے قیام فرمایا تھا، اسی کے قریب مسجد رابعہ عدویہ بصریہ واقع ہے، اس سے متصل ان کی قبر ہے، جو ایک غار میں ہے، نقل کیا جاتا ہے کہ وہ یہیں عبادت کیا کرتی تھیں، اور یہیں ان کی وفات ہوئی، فلسطین، اُردن اور مصر میں قبریں عام طور پر غار یا گہرے تہہ خانوں میں ہوتی ہیں اور سطح زمین پر لکڑی وغیرہ کے قبے رکھے ہوتے ہیں، اس کے اوپر چادر ہوتی ہے، اور پھر اوپر پتھر یا آرسی سی کا گنبد تعمیر کیا جاتا ہے، جہاں قبر ہوتی ہے، اس کو مقبرہ کہتے ہیں، اور جہاں قبر نہیں ہوتی؛ لیکن اس جگہ پر ان بزرگ نے قیام کیا، وہاں یادگار کے طور پر ایک ایسی ہی عمارت بنادی جاتی ہے، اور اسے زیادہ تر ''مقام'' کہتے ہیں۔

حرم ابراہیمی میں

حضرت رابعہ بصریہ کی قبر کی زیارت کے بعد ہم لوگوں کا سفر ''الخلیل'' کی طرف ہوا، جس کو یہودی ''حبرون'' کہتے ہیں، بیت المقدس سے یہاں کا فاصلہ تقریباً دو گھنٹے ڈرائیونگ کا

ہے، اس کو حرم ابراہیمی بھی کہتے ہیں؛ کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مبارک یہیں ہے، مقبرہ کا کافی بڑا احاطہ ہے، اور اسی میں وسیع وعریض مسجد بھی ہے، یہ احاطہ قلعہ نما شکل میں پتھر کی دیواروں کا ہے، پہلے مسجد میں دو رکعت نفل ادا کی گئی، پھر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر حاضری ہوئی، اس قبر پر لوہے کی جالی اور گلاس کی دیوار کا احاطہ ہے، ایک جانب جدھر قبر کا زیادہ حصہ ہے، وہ مسلمانوں کے زیر تولیت ہے، اور دوسری طرف یہودی زیارت کرتے ہیں؛ چوں کہ یہاں اکثر مسلمانوں کا یہودیوں سے ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے؛ اس لئے دونوں کے حصے الگ کر دیئے گئے ہیں؛ تاکہ تصادم کی نوبت نہ آئے، اسی مسجد میں حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت رفقہ علیہا السلام کی قبریں ہیں، جو حصہ یہودی غاصبوں کے قبضہ میں ہے اور جس میں مسلمانوں کے جانے پر پابندی ہے، اس میں حضرت یعقوب، حضرت یوسف اور حضرت یوسف کی والدہ لیاّ (علیہم السلام) کی قبریں ہیں، یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کی قبروں پر، اور جن قبروں پر مسلمانوں کو جانے سے روک دیا گیا ہے، ان پر دور ہی سے فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، مسجد خلیل کے ایک طرف مسلم آبادی ہے اور دوسری طرف یہودی آبادی؛ اس لئے برابر ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے، یہاں ساری دکانیں بند، سڑکیں ویران اور اسرائیلی فورس کی بڑی تعداد نظر آئی، یہاں سے بیت المقدس واپس جاتے ہوئے راستہ میں حضرت شمعون علیہ السلام کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، جو بنی اسرائیل میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

ان زیارتوں سے فارغ ہو کر ہم لوگ مقام ''لُد'' پر گئے، جہاں اس وقت اسرائیلی ایئرپورٹ بنا ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس مقام کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے، وہیں سے قریب اسرائیل کی راجدھانی تل ابیب ہے، احباب کے اصرار پر بادل ناخواستہ یہاں بھی جانا ہوا، بعض حضرات وہاں سے کچھ خرید وفروخت کرنا چاہتے تھے، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ شدید اور مسلسل بارش کی وجہ سے بس سے نیچے اُترنے کی بھی نوبت نہیں آئی، تل ابیب میں بعض عرب محلے بھی موجود ہیں، وہاں سے بھی گذر رہوا۔

مسجد اقصیٰ

مسجد اقصیٰ (اندر کا حصہ)

قبۃ الصخرۃ

حرم ابراہیمی

اصحابِ کہف کا غار

بحرِ مُردار

جامع ازہر

اہرام مصر

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو علاقہ اقوام متحدہ کی تسلیم شدہ سرحد کے مطابق اسرائیل کا حصہ ہے، اسرائیل نے اس کو بہت ترقی دی ہے، جس صحراء میں خاک اُڑتی تھی، وہاں ہرے بھرے باغات ، سرسبز وشاداب کھیت، منصوبہ بندی کے ساتھ بنائی گئی بلند عمارتیں، فورلائین سڑکیں، دومنزلہ میٹروٹرینیں، بہ کثرت کارخانے اور فیکٹریاں نظر آتے ہیں، کھجور کے درختوں کی قطاریں اتنی خوبصورت اور باغات اتنے گھنے ہیں کہ خلیجی ملکوں میں بھی نظر نہیں آتے، غرض کہ اسرائیل کی ترقی قابل رشک ہے، فلسطینی علاقے اگرچہ کہ سرسبز وشاداب ہیں، نیز صفائی ستھرائی اور سڑکوں کے اعتبار سے بھی بہتر ہی ہیں؛ لیکن اسرائیلی علاقہ کے مقابلہ بہت کمتر، اسرائیل سے متصل مصر کے زیر اقتدار صحراءسینا کے علاقہ میں آج بھی خاک اڑتی ہے، اور ترقی کا نام ونشان نہیں، افسوس کہ مسلم ممالک نے مغرب سے علوم وٹکنالوجی خریدنے کی بجائے ان کی تہذیب وثقافت خریدکر لی اور اسی کو بہت بڑی چیز سمجھا۔

مصر کی طرف

۹ رجنوری کو ہمارا واپسی کا سفر شروع ہوا اور ہم لوگوں کے اصرار پر پروگرام سے ہٹ کر گائیڈ نے آمادگی ظاہری کی کہ وہ ہمیں مزید ایک گھنٹہ مسجد اقصیٰ میں عبادت کا موقع دے گا؛ چنانچہ ہم لوگ ناشتہ کے بعد مسجد اقصیٰ کے لئے نکلے، آج گائیڈ ایک مختصر راستہ سے ہمیں مسجد کے اندر لے آئے، ہم لوگ سیدھے مسجد سے نیچے واقع اصل مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دو گھنٹے وہاں رہ کر حسب توفیق نماز، دُعاء اور ذکر وتلاوت کا اہتمام کیا، چلتے چلتے مسجد اقصیٰ میں عبادت کا جو موقع میسر آ گیا، اس سے سبھوں کو بڑا قلبی سکون حاصل ہوا۔

یہاں سے اب ہم لوگوں کا سفر مصری بارڈر کے طرف شروع ہوا، جو طابہ شہر میں واقع ہے، کہا جاتا ہے کہ یہی راستہ ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے نجات پانے کے بعد گزر کر بیت المقدس کی طرف آئے تھے، اسی راستہ میں سدوم اور عامورہ کے وہ مقامات ہیں، جہاں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی، اللہ کے عذاب کے طور پر پہلے ان پر پتھروں کی

بارش ہوئی، پھر زمین کو ان پر پلٹ دیا گیا، (اعراف: ۱۶۰) اسی جگہ آج کل بحرِ مُردار واقع ہے، اس کے پانی میں ۳۳/فیصد نمک ہے۔

اس علاقہ میں ایک طویل پہاڑی سلسلہ ہے، مگر یہ پہاڑ بہت ہی خوفناک نظر آتے ہیں، اور جیسے چوہے زمین میں بل بناتے اور سوراخ کر دیتے ہیں، پہاڑوں میں ایسے ہی چھوٹے چھوٹے سوراخ نظر آتے ہیں، میں نے رفقاءِ سفر سے حضرت لوط کی قوم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت دی ہے کہ جب عذاب یافتہ قوموں کے ٹھکانوں سے گزرو تو جلدی نکل جاؤ؛ لیکن جب دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے پانی میں تیراکی کا عزم مصمم کئے ہوئے ہیں تو عرض کیا کہ کم سے کم درجہ یہ ہے کہ اگر آپ یہاں رکیں تو زیادہ سے زیادہ استغفار پڑھنے کا اہتمام کریں، نمک کی کثرت کی وجہ سے چوں کہ اس پانی کا اپنا وزن بہت بڑھا ہوا ہے؛ اس لئے جب اس میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے تو وہ ڈوبتی نہیں ہے، اور ایسے لوگ بھی جو تیراکی سے واقف نہیں ہیں، اس طرح پانی کی سطح پر لیٹ جاتے ہیں، گویا وہ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، بہر حال بہت سے لوگوں نے یہاں غسل کیا اور پھر یہیں عصر کی نماز پڑھی گئی، عجیب بات ہے کہ قوم لوط پر عذاب کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور تورات میں بھی؛ لیکن اب یہاں بڑے شرمناک مناظر نظر آتے ہیں، اسرائیل اور مغرب سے آئی ہوئی بعض عورتیں مختصر؛ بلکہ مختصر ترین لباس پہن کر پورے جسم میں سمندر کی مٹیاں مَل کر دوڑ بھاگ کرتی رہتی ہیں؛ کیوں کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ اس مٹی کے لگانے سے جلدی امراض سے صحت ہوتی ہے، گویا جو جگہ عبرت حاصل کرنے کی تھی، اب وہ تفریح گاہ ہے۔

یہاں سے گزر کر ہم لوگ سرِشام ''طابہ'' پہنچے، اس ایمیگریشن کا نام سابق اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابن کے نام پر ہے، ہم لوگوں کا خیال تھا کہ اب تو ہم لوگ اسرائیل سے واپس ہو رہے ہیں؛ اس لئے وہ خوشی خوشی اور جلدی جلدی ایمیگریشن کی کارروائی کر دیں گے، اور اُس طرح پریشان نہیں کیا جائے گا، جیسے اسرائیل میں داخل ہوتے ہوئے کیا گیا تھا؛ لیکن جس قوم کی فطرت میں خباثت ہوتی ہے، وہ ہر جگہ اپنا رنگ دکھاتی ہے؛ چنانچہ اول تو دور سے سامان اُٹھا کر

ایمیگریشن کے احاطہ میں آنا پڑا، پھر سارا سامان اسکرین پر ڈالا گیا، اور حسب معمول لوگوں کی جانچ کی گئی، اس کے بعد دریافت کیا گیا کہ آپ لوگوں کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ تو نہیں ہے؟ بتایا گیا کہ کوئی ہتھیار نہیں ہے، ساری کارروائی ہو چکی تھی کہ اچانک اِلارم بجا، یہ خطرہ کا الارم تھا، سیکوریٹی گارڈ نے بھاگ دوڑ شروع کر دی، اس میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، سبھوں کے ہاتھ میں گن تھے، ہم لوگ ایمیگریشن سے باہر آ گئے تھے؛ لیکن ابھی اسرائیلی حدود ہی میں تھے، ہم لوگوں سے کہا گیا کہ آپ فوراً اندر واپس جائیں، ہم لوگ ایک لمبی قطار کی شکل میں کرسیوں پر بٹھا دیئے گئے؛ اگرچہ اس کے اوپر ایک سائبان بنا ہوا تھا؛ لیکن سخت ٹھنڈک اور تیز ہوا تھی، چاروں طرف سے سیکوریٹی کے لوگ گن تان کر کھڑے ہو گئے، اور کچھ اس طرح گھور کر دیکھنے لگے جیسے سب دہشت گرد بیٹھے ہوئے ہیں، اور ہتھیار بھی کچھ اس طرح سنبھالے ہوئے تھے کہ گویا خطرناک مجرموں کو انجام تک پہنچانے کے لئے بالکل تیار کھڑے ہیں، گائیڈ نے پہلے ہدایت کر دی تھی کہ اسرائیلی ایمیگریشن میں ڈرانے کے لئے نفسیاتی طور پر اس طرح کی حرکت کی جاتی ہے، اگر ایسا ہو تو لوگ بالکل خاموشی سے بیٹھے رہیں؛ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد بغیر کسی تفتیش اور چیکنگ کے ہم لوگوں کو روانہ کر دیا گیا۔

دنیا میں شاید ہی کسی ایمیگریشن میں اتنے بد اخلاق اور بدطینت لوگ پائے جاتے ہوں؛ تاہم مجھے اس پر تعجب نہیں ہوا؛ کیوں کہ جس قوم نے پیغمبروں کے ساتھ یہاں تک کہ خود اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بدسلوکی کی ہو، اس سے اور کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

بیت المقدس کے اس سفر سے جو چند تأثرات قائم ہوئے، وہ یہ ہیں :

(۱) فلسطینی مسلمان بے حد مدد کے مستحق ہیں، انھیں بے گھر کیا جا رہا ہے، ان کے ساتھ کھلی ہوئی زیادتی کی جاتی ہے، حد یہ ہے کہ ہم جس ہوٹل میں مقیم تھے، وہاں سے قریب ایک فلسطینی نوجوان کی دوکان تھی، اس نے بتایا کہ ہم نے زندگی میں ایک ہی بار مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کی ہے، ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی، وہ دیوار بھی دیکھی، جس نے غزہ کو ایک بڑی جیل میں تبدیل کر دیا ہے، اور اس کے علاوہ بھی جگہ جگہ فلسطینی آبادیوں کو دیواروں سے

گھیر دیا گیا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ نہ وہ تجارت کر سکتے ہیں نہ ملازمتوں کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہیں، اگر بچے کھچے فلسطینی بھی فلسطین سے باہر نکل جائیں تو اسرائیل کا مقصد پورا ہوجائے گا، اور وہ پوری سرزمین فلسطین پر قابض ہو جائے گا؛ اس لئے پورے عالم کے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے فلسطینی بھائیوں کی مالی مدد بھی کریں اور میڈیا کے ذریعہ بھی ان کی مظلومیت اور اسرائیلیوں کے ظلم وجور کو نمایاں کریں، نیز جو فلسطینی وہاں آباد ہیں، ان کا حوصلہ بڑھائیں، وہ حقیقت میں ملت اسلامیہ کی زمینی سرحد کے محافظین ہیں۔

(۲) اسرائیل چاہتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے مسلمان کم سے کم آئیں، بدامنی کے بعض واقعات اگرچہ پیش آتے رہتے ہیں؛ لیکن صورت حال اتنی خراب بھی نہیں ہے کہ وہاں جایا نہیں جا سکے، بیت المقدس کے اندر داخل ہونے کے بعد عبادت کرنے کی پوری آزادی ہوتی ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو جرأت سے کام لیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ فلسطین کا سفر کرنا چاہئے اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کرنی چاہئے؛ ورنہ اسرائیل کے اس دعویٰ کو تقویت پہنچے گی کہ چوں کہ مسلمانوں کے پاس مکہ و مدینہ موجود ہے اور بیت المقدس سے ان کا زیادہ تعلق بھی نہیں رہا؛ اس لئے ان کو اب اس سے دستبردار ہوجانا چاہئے۔

(۳) عالم اسلام کو خصوصاً اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو عموماً اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ منظم طور پر سائنسی علوم میں آگے بڑھیں، اگرچہ کہ اس سلسلہ میں زیادہ اہم کردار مسلم ممالک ہی انجام دے سکتے ہیں؛ تاہم ہندوستان کے مسلمان بھی اس میں اپنا حصہ ادا کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ ہندوستان سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں اُبھرتا ہوا ملک ہے، اور اس کی اس صلاحیت کو عالمی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے؛ مگر افسوس کہ اولاً تو ہم تعلیم کے میدان میں پیچھے ہیں، اور جو کچھ حاصل کر رہے ہیں، اس میں بھی صرف معاشی پہلو کو سامنے رکھ کر میدان کا انتخاب کرتے ہیں، اس کا نتیجہ ہے کہ شاذ و نادر ہی کسی مسلمان کا ملک کے سائنس دانوں میں شمار کیا جاتا ہے، جو لوگ عصری تعلیم کے میدان میں کام کر رہے ہیں، ان کو خاص طور سے اس پر توجہ دینی چاہئے۔

حضرت موسیٰ اور فرعون کی سرزمین میں

اُردن اور فلسطین کے بعد ہمارے سفر کی تیسری منزل تھی مصر، فوجی طاقت اور افرادی قوت کے اعتبار سے مصر عالم عرب کا سب سے بڑا ملک ہے، اس کا ایک حصہ ایشیا میں اور دوسرا حصہ شمالی افریقہ میں واقع ہے؛ اگرچہ اس کے پاس پٹرول نہیں ہے؛ لیکن قدرتی گیس سے مالا مال ہے، مصر جانے کے لئے ہم لوگوں نے ''طابہ'' کا بارڈر پار کیا، یہاں کی ایک مقامی ٹور کمپنی سے ہماری ٹور کمپنی کا معاہدہ تھا، بارڈر پار کرنے کے بعد قریب آدھے گھنٹے کی مسافت پر ایک ریسٹورنٹ میں رات کا قیام اور عشائیہ کا انتظام کیا گیا تھا، یہاں ہمیں جو گائیڈ فراہم کیا گیا، اس کا نام بھی عمرو موسیٰ تھا، یہ کافی واقف گائیڈ تھا، میرے ساتھ خاص کر بہت احترام سے پیش آتا تھا، اور ہمیشہ ''سیدی وشیخی'' سے مخاطب کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ آپ امیر ہیں، ہم سب مامور ہیں۔

۱۰ رجنوری کی صبح ہم لوگ ''طابہ'' سے مصر کی راجدھانی ''قاہرہ'' کی طرف روانہ ہوئے، مصر اُن ملکوں میں ہے جس کی تہذیب بہت قدیم ہے، اس کی تمدنی فتوحات کا اندازہ اہرام مصر سے لگایا جا سکتا ہے، مسلمانوں کا بھی یہاں سے روحانی رشتہ ہے، یہی ملک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریق ہجرت ہے، حضرت ہاجرہ علیہا السلام جن کی مبارک نسل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اسی سرزمین سے ان کا تعلق ہے، یہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کا وہ خوبصورت واقعہ پیش آیا، جس میں عبرت وموعظت کے ڈھیر سارے پہلو موجود ہیں، اور اسی لئے قرآن مجید نے اس کو خوبصورت ترین داستان ''احسن القصص'' قرار دیا ہے، (یوسف: ۳) حضرت یوسف علیہ السلام یہاں ایک زرخرید غلام کی حیثیت سے لائے گئے، اور مختلف آزمائشوں سے گذر کر اس پورے خطہ کی فرماں روائی کے منصب پر فائز ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اسی سرزمین میں پیدا ہوئے اور یہیں نبوت سے نوازے گئے، اسی خطہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات ہوئی؛ اس لئے ایک مسلمان کے لئے مصر کی سیر کا شائق ہونا فطری بات ہے۔

طابہ سے قاہرہ کا سفر بہت تھکا دینے والا تھا، اور اس کے بیشتر حصہ میں خشک پہاڑوں اور ریگزاروں کے سوا دُور دُور تک کوئی چیز نظر نہیں آتی، کہیں کہیں خانہ بدوشوں کی کچھ جھونپڑیاں نظر آجاتی ہیں؛ البتہ جو تاریخی یادگاریں ہیں، وہاں مسافروں اور سیاحوں کی موجودگی زندگی کا احساس دلاتی ہے، بہر حال طابہ سے نکلنے کے بعد ہم لوگوں کی پہلی منزل ''کوہِ طور'' تھی، یہاں پر چاروں طرف چھوٹے بڑے پہاڑ ہیں، جس جگہ ہم لوگ پہنچے، وہاں ایک پہاڑی تھی، اس کو عبور کرنے کے بعد دوسری جانب کوہ طور ہے، یہ کافی بلند پہاڑ ہے، اس پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے عام طور پر لوگ رات میں چڑھائی کرتے ہیں اور پانی کی بوتلیں بھی ساتھ رکھتے ہیں، ہمارے قافلے میں بہت سے معذور لوگ تھے اور متعدد خواتین تھیں؛ اس لئے پہاڑ پر چڑھنا ممکن نہیں تھا، اگر کوئی راستہ دیارِ محبوب کی طرف جاتا ہو تو انسان کو وہ بھی محبوب ہوتا ہے؛ اس لئے محبت کی آنکھوں سے دور ہی سے اس مقام کا دیدار کیا گیا۔

یہاں پر ''کیتھرائن'' نامی چرچ ہے، جو ایک راہبہ کا بنایا ہوا ہے، جس نے مصر میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے اس ویران جگہ کو اپنی کٹیا بنایا تھا، یہاں بھی ہم لوگوں کو لے جایا گیا، اس میں مسلمانوں کے لئے سبق ہے کہ جو لوگ باطل کے نمائندے ہیں، وہ اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں، اور ہم مسلمان فریضۂ دعوت کی طرف سے کس قدر بے توجہ ہیں! اسی چرچ سے متصل ایک درخت ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی جگہ سلگتی ہوئی آگ دیکھی تھی اور آگ لینے کے لئے وہاں پہنچے تھے، لوگوں میں مشہور ہے کہ جب بھی یہ درخت سوکھ کر ختم ہونے لگتا ہے، اس کی جڑوں سے نئی کونپلیں نکل آتی ہیں، یہیں آپ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی، اس کے بعد صحراء سینا میں ایک طویل راستہ طے کرنے کے بعد ہم لوگ اس مقام پر پہنچے، جہاں حضرت ہارون علیہ السلام کا قیام تھا، سڑک کے ایک طرف یہ جگہ ہے اور دوسری طرف وہ جگہ ہے، جہاں ''سامری'' نے سونے کی گائے بنا کر لوگوں کو گاؤ پرستی کی دعوت دی تھی اور بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد اس گمراہی کا شکار ہوگئی تھی، اس مقام پر پہاڑی سے پتھر کی ایک ایسی شکل لگی ہوئی ہے، جو گائے کا سنگی مجسمہ نظر آتا ہے، مشہور ہے کہ

حضرت موسیٰ نے سامری سے ناراض ہوکر اس کی گائے کو دیوار کی طرف پھینک دیا تھا، اور وہ بچھڑے کی شکل میں پتھر بن کر پہاڑ سے چپک گیا؛ مگر یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی؛ کیوں کہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جلا کر اور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں ڈال دیا تھا۔ (طٰہٰ: ۹۷)

یہاں سے ایک طویل سفر کے بعد مغرب کے قریب ہم لوگ اس جگہ اُترے، جس کو ''آبار موسیٰ'' یا ''عیون موسیٰ'' کہتے ہیں، یہ بحر قلزم (جس کو بحر احمر بھی کہا جاتا ہے) کے قریب واقع ہے، غالباً یہی وہ جگہ ہے جہاں سے بحر قلزم کو عبور کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ ''وادیٔ سینا'' میں پہنچے تھے، اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق کر دیا گیا تھا، یہاں آٹھ کنویں ہیں، چند کنویں ہم لوگوں نے دیکھے، جس میں سے دو کنووں میں پانی بھی موجود ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پانی کا مطالبہ کیا اور آپ نے دُعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو پتھر پر عصا مارنے کا حکم دیا گیا، آپ نے عصا مارا اور حکم الٰہی سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، کہا جاتا ہے کہ یہ کنویں ان ہی کی باقیات ہیں، یہاں پر قریب میں آبادی بھی ہے، اور متعدد مسجدیں بھی اور دکانیں بھی ہیں؛ چنانچہ یہیں نماز مغرب ادا کی گئی، صحرائے سینا کے اسی طویل علاقہ میں وادیٔ تیہہ واقع ہے، جس میں بنی اسرائیل کو ان کی سرکشیوں کی وجہ سے چالیس سال تک بھٹکتے رہنے کی سزا دی گئی اور اس کھلے صحراء کو ان کے لئے جیل بنا دیا گیا۔

نماز کے بعد آگے کا سفر شروع ہوا، اور قاہرہ کے مضافات میں ''سویز ٹنل'' سے گذرنے کی نوبت آئی، یہ راستہ نہر سویز کے نیچے زیر زمین گزرتا ہے، یہاں آکر ٹریفک کا ہجوم ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ مال برداری کے لئے اس نہر کی بڑی اہمیت ہے، اس کے ایک طرف ایشیاء کا علاقہ ہے اور دوسری طرف افریقہ کا، مصر کے لئے نہر سویز کی بڑی اہمیت ہے، اور یہ مصر کی معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے، یہ خوبصورت اور روشن سرنگ نما راستہ ہے، نہر سویز پار کرنے کے بعد ہم لوگ قاہرہ میں داخل ہو گئے، پھر بھی اپنی منزل تک پہنچنے میں

ڈیڑھ تا دو گھنٹے کا وقت لگ گیا، گزرتے ہوئے دریائے نیل سے بھی گزر ہوا، قاہرہ فلک بوس میناروں اور خوبصورت گنبدوں کا شہر ہے، قدم قدم پر مسجدیں ہیں، مختلف بادشاہوں نے اپنے اپنے دور اقتدار میں خوبصورت مسجدیں تعمیر کر کے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کی ہے، ترقی کے اعتبار سے مصر ہندوستان کے مقابلہ کمتر درجہ کا ملک ہے، سڑکیں بھی اچھی نہیں ہیں، صفائی ستھرائی کے اعتبار سے برا حال ہے، اکثر مقامات پر سرِراہ کچڑوں کا انبار ہے، کھلے ہوئے گندے نالے بیچ راستہ سے گزرتے ہیں، چوں کہ قاہرہ بھی بنیادی طور پر ریگستان ہی کا علاقہ تھا؛ اس لئے گرد وغبار کی بہتات ہے، بہرحال ہم لوگ رات کے نو دس بجے اپنے ہوٹل پہنچے، جو ہمارے لئے مصری گائیڈ نے کرایہ پر لے رکھا تھا، اور دن بھر کی صحرانوردی نے کچھ اس طرح تھکا دیا تھا کہ تمام شرکائے سفر لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

اگلا دن قاہرہ کے تاریخی مقامات کی سیر کے لئے تھا؛ چنانچہ ناشتہ کے بعد سب سے پہلے ہم لوگوں کو اہرام مصر لے جایا گیا؛ ''اہرم'' کے معنی پرانی عمارت کے ہیں، غالباً اسی قدامت کی وجہ سے اس کو اہرام کہا جاتا ہے، یہ مخروطی طرز کی عمارتیں ہیں، جو مصری بادشاہوں کے مقبرے کے طور پر تعمیر ہوئی ہیں، کہا جاتا ہے کہ مصر میں بحیثیت مجموعی ایک سو اڑتیس (۱۳۸) اہرام ہیں، تین اہرام قاہرہ کے مضافات میں ہیں، ان میں سے بڑے اہرام کو دنیا کے سات عجائب میں شمار کیا گیا ہے، انیسویں صدی سے پہلے ۴۳؍صدیوں تک یہ دنیا کی سب سے اونچی عمارت تھی، اس کی بلندی ۴۵۵؍فٹ ہے، اور اس کا رقبہ ۱۳؍ایکڑ ہے، اس کو ۲۵؍لاکھ پتھر کے بڑے بلاکس سے تعمیر کیا گیا ہے، جن میں سے ہر ایک کا وزن ۲۵؍سے ۲۸؍ٹن تک ہے، مصر کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا: ''فرعون'' اس اہرام میں ''خوفو'' نامی فرعون مدفون ہے، ہوتا یہ تھا کہ بادشاہ کی لاش کو ممی کر کے اس کے زیورات، لباس، برتن، ہتھیار یہاں تک کہ کبھی کبھی جانور، غلام اور باندیوں کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا، اس اہرام کے ساتھ ۳؍اور چھوٹے اہرام بھی ہیں، کہا جاتا ہے کہ وہ اس کی ۳؍بیویوں کے ہیں، اندازہ کیا گیا ہے کہ ان اہراموں کی تعمیر ۲۳؍سو سال قبل مسیح عمل میں آئی تھی، یہ انسان کے لئے جائے عبرت ہے کہ جن لوگوں نے

ایسی کوہ ہیکل عمارتیں بنائیں ، آج وہ سامان عبرت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہیں ، ہلکی دھوپ اورقابل برداشت خنک ہواؤں کی وجہ سے ماحول بہت خوشگوار تھا ، بہت سے لوگ اونٹ اورگھوڑے پر بیٹھ کراہرام کے دامن میں تصویریں کھنچوار ہے تھے۔

اہرام مصر کی سیر کے بعد ہم لوگ قاہرہ کے مشہور میوزیم کو گئے ، جس میں بہت سی چیزوں کے بشمول فراعنہ مصر کی لاشیں بھی تھیں ، اسی میں ایک لاش اُس فرعون کی ہے ، جس کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا ، مفسرین نے اس کا نام ''رعمیس'' بتایا ہے ، یہ تمام لاشیں ممی کی ہوئی ہیں ، ایک عجیب بات یہ ہے کہ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرعون کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہم تمہارے بدن کو محفوظ اور سالم رکھیں گے اور تم کو پوری دنیا کے لئے نشان عبرت بنادیں گے ، (یونس: ۹۲) شاید اسی لئے اِس فرعون کی لاش زیادہ بہتر حالت میں ہے ، اس کی لاش دوسری لاشوں کے مقابلہ نسبتاً لمبی ہے ، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دوسری لاشوں میں رگیں سکڑ گئی ہوں اور ان کا قد چھوٹا پڑ گیا ہو ، اور اس فرعون کی لاش کو من جانب اللہ اس سے بچایا گیا ہو ، دوسرے : حضرت موسیٰ علیہ السلام والے اِس فرعون کی پیشانی مکمل سیاہ نہیں ہے ؛ بلکہ پیشانی کے اوپری حصہ کا رنگ سانولا ہے ، اور سر کے بال بڑے بڑے ہیں ، اس کے برخلاف دوسری لاشیں بالکل سیاہ ہوگئی ہیں ، اور ان کے سر پر یا تو بال ہیں ہی نہیں ، یا اگر ہیں بھی تو بہت تھوڑے۔

آج جمعہ کا دن تھا ؛ اس لئے ہم لوگ میوزیم سے نکلنے کے بعد قاہرہ کی مشہور مسجد مسجد محمد علی کو گئے ، یہ مسجد پوری طرح ترکی کی ''مسجد ازرق'' کے ڈیزائن پر ہے ، اگر کوئی شخص اس مسجد کی صرف تصویر دیکھے تو سمجھے گا کہ یہ استنبول کی مسجد ازرق ہی ہے ، اور چوں کہ یہ ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے ؛ اس لئے اس کے بلند مینارے اور خوبصورت گنبد دور سے نظر آتے ہیں ، مسجد کے اندر کی بناوٹ بھی بالکل استنبول ہی کی مسجد ازرق کی طرح ہے ، بلند چھت ، چھوٹے چھوٹے گنبدوں کو جوڑتے ہوئے بڑا گنبد ، گنبدوں اور چھتوں پر خوبصورت کشیدہ کاری ؛ لیکن نقل اور اصل کا فرق پوری طرح واضح ہے ، یہ مسجد اُس قلعہ کے اندر ہے جو صلیبی جنگوں کے

زمانہ میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے تعمیر کرایا تھا، ۵۷۲ھ میں اس کی تعمیر کا آغاز ہوا، اور ۵۷۸ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، یہ جبل مقطّم نامی پہاڑ پر تعمیر کیا گیا ہے، صلاح الدین ایوبی نے اس قلعہ میں سطح زمین سے نوے میٹر گہرا کنواں بھی کھدوایا تھا؛ تا کہ اگر قلعہ کا محاصرہ ہو جائے تو پانی دستیاب رہے، بہر حال یہ قلعہ بھی دیکھنے کے لائق ہے، قلعہ کی چھت پر چڑھا جائے تو سامنے ایک ایسی مسجد نظر آتی ہے، جس کے چار حصے ہیں، معلوم ہوا کہ پچھلے ادوار میں یہاں اسی طرح مسجدیں تعمیر کی جاتی تھیں، اور فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کے لئے الگ الگ گوشے ہوتے تھے۔

مصر کی زراعت کے لئے شروع سے دریائے نیل کی بڑی اہمیت رہی ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کا سب سے طویل دریا ہے، جس کی لمبائی ۶۶۹۵ کیلومیٹر ہے، یہ ایتھوپیا سے نکل کر سوڈان ہوتے ہوئے مصر پہنچتا ہے، اور دوسری طرف بحیرۂ روم میں جا کر گرتا ہے، اس پر جو ڈیم بنایا گیا ہے، اس سے بننے والی جھیل ۵۵۰ / کیلومیٹر لمبی اور ۳۵ / کیلومیٹر چوڑی ہے، اس کا ۸۳ / فیصد حصہ مصر میں اور ۱۷ / فیصد حصہ سوڈان میں واقع ہے، دارالحکومت قاہرہ اور مصر کے اکثر شہر اسی دریا کے کنارے پر واقع ہیں؛ کیوں کہ مصر کے اتھاہ صحراء میں پانی کا کوئی اور قابل ذکر ذریعہ نہیں ہے، اس دریا کا ذکر حدیث میں بھی آیا ہے، اور اسے جنت کے دریاؤں میں شمار کیا گیا ہے، (بخاری، حدیث نمبر: ۳۲۰۷) اس دریا سے مسلمانوں کی بھی ایک تاریخ وابستہ ہے، مصر کا پانی ہر سال ایک خاص زمانہ میں رُک جاتا تھا، اور دریا کو منانے کے لئے کسی کنواری لڑکی کو سنوار کر خشک دریا میں بٹھا دیا جاتا تھا، پھر پانی اُبلنے لگتا تھا، اس طرح ہر سال ایک لڑکی کی قربانی دی جاتی تھی، جب فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی تشریف آوری کے بعد یہ بات پیش آئی تو وہ حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر مشورہ کے طلب گار ہوئے کہ نیل خشک ہو چکا ہے، اب اس سلسلہ میں کیا کیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے اس جاہلانہ رسم سے منع کر دیا، اور دریائے نیل کے نام خط لکھا کہ اگر تو حکم خداوندی سے جاری تھا تو جاری ہو جا؛ ورنہ رُکا رہ؛ چنانچہ دریا جاری ہو گیا، (کنز العمال: ۵۶۱/۱۲) اور آج تک جاری ہے۔

یوں تو آتے جاتے کئی بار اس دریا پر بنے ہوئے پُل سے گزرنے کا موقع ملا؛ لیکن آج مصر کے میزبان نے دریائے نیل کے اندر ہی اسٹیمر میں عشائیہ کا انتظام رکھا تھا، ہم لوگ مغرب کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد دریائے نیل کے ساحل پر لے جائے گئے، پہلے سے اسٹیمر میں جگہ بُک تھی، تھوڑی دیر میں اسٹیمر روانہ ہوا اور کھانا کھایا گیا، یہ بہت ہی دلکش منظر تھا، دریائے نیل کا پانی کافی صاف وشفاف ہے، ہمارے ہندوستان میں بڑے بڑے دریاؤں کا بھی دامن سکڑ گیا ہے، اور برسات کے سوا وہ ایک بڑے نالہ یا چھوٹی نہر کی طرح ہو جاتا ہے؛ لیکن دریائے نیل کی چوڑائی بھی اچھی خاصی ہے، افسوس کہ مصر نے مغربی تہذیب کو کچھ اس طرح اپنے لئے آئیڈیل بنالیا ہے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہم کسی مسلم ملک میں ہیں یا مذہبی قدروں سے آزاد مغربی ملک میں؟ ظاہر ہے کہ ایک باضمیر مسلمان جب اس صورت حال کو دیکھتا ہے تو اسے غیر معمولی کڑھن ہوتی ہے، یہاں بھی کچھ ایسے مناظر سامنے آئے کہ طبیعت بے چین ہو گئی، باہر نکلنے کا بھی کوئی راستہ نہیں تھا؛ اس لئے اسٹیمر کے عرشہ پر پناہ لینی پڑی، پہلے میں جناب احمد قادری صاحب (کریم نگر) کو لے کر اوپر گیا، پھر ہمارے قافلہ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے اوپر آ گئے، یہاں اگرچہ ٹھنڈی ہواؤں سے لوگ ٹھٹھر رہے تھے؛ لیکن وہاں سے دریا اور اس کے کناروں کا منظر بہت خوبصورت لگ رہا تھا، اور چوں کہ ٹھنڈک سے بچنے کے لئے سبھی حضرات گرم لباس سے مسلح تھے؛ اس لئے اس ٹھنڈک کا مقابلہ ممکن ہو سکا، دو گھنٹے دریا کی سیر کرنے کے بعد ہم لوگ نیچے اُترے اور ہوٹل واپس آ گئے۔

چند ساعتیں — اسکندریہ میں

قاہرہ کے بعد مصر کا دوسرا بڑا شہر "اسکندریہ" ہے، آئندہ دن صبح میں جلد ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم لوگ یہاں کے لئے روانہ ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ۳۳۴ قبل مسیح میں یہ شہر آباد ہوا، اس شہر کو مشہور فرمانروا اور فاتح سکندر اعظم نے بسایا تھا، ایک زمانہ میں اس شہر کے اندر روشن مینار (لائٹ ہاؤس) بنا ہوا تھا، جس کو دنیا کے عجائب میں شمار کیا جاتا تھا؛ لیکن وہ ایک زلزلہ میں زمیں

بوس ہوگیا، یہاں زمانۂ قدیم میں ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی تھا، جو کتب خانہ اسکندریہ کے نام سے مشہور تھا، مستشرقین نے مسلمانوں پر الزام لگایا ہے کہ انھوں نے اس کتب خانہ کو نذر آتش کردیا اور اس کو مسلمانوں کی علم دشمنی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے؛ لیکن یہ الزام غلط ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ نے مدلل طور پر تفصیل کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے۔ (کتب خانہ اسکندریہ، طبع: ۱۹۰۲ء، مطبع مفید عام)

یہ مصر کا بندرگاہی شہر ہے، اور یہیں اس کی سب سے بڑی بندرگاہ قائم ہے؛ کیوں کہ یہاں سے ایشیا، یوروپ اور افریقہ تینوں براعظم بہت تھوڑے فاصلہ پر ہیں؛ اس لئے راہداری کے اعتبار سے اس شہر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، تیل اور قدرتی گیس کی پائپ لائنیں یہیں سے گزرتی ہیں؛ اس لئے یہ مصر کا ایک اہم صنعتی مرکز ہے، مسلمانوں نے ۱۴/ ماہ کے محاصرہ کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کے زیر قیادت ۶۴۱ھ میں اس شہر کو فتح کیا تھا؛ لیکن رومیوں کے بحری بیڑے نے دوبارہ اس پر قبضہ کرلیا، بالآخر مسلمانوں نے اگلے ہی سال دوبارہ اسے واپس لینے میں کامیابی حاصل کی، کتب خانہ اسکندریہ بھی اسی جنگ کے دوران رومیوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔

کئی حادثات سے دوچار ہونے اور تباہی وبربادی سے گزرنے کے بعد ۱۸۱۰ء میں مصر کے عثمانی گورنر محمد علی پاشا نے شہر کو دوبارہ تعمیر کرنا شروع کیا، اور ۱۸۵۰ء تک اس کی رونقیں بحال ہو پائیں، ہم لوگ ۱۲/ جنوری کو حسب معمول ناشتہ کے بعد اسکندریہ کے لئے نکلے اور تقریباً چار ساڑھے چار گھنٹے میں اسکندریہ پہنچے، یہ بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے، اور ساحل کا منظر بہت خوبصورت ہے، ساحل پر ایک بڑا قلعہ بھی ہے، چوں کہ یہ شہر ہمیشہ رومیوں کے حملوں کی زد میں رہتا تھا، اس سے محفوظ رکھنے کے لئے مسلمانوں نے اس قلعہ کی تعمیر کی تھی، یہ کافی مضبوط قلعہ ہے، جس کی دیواروں سے سمندر کی لہریں ٹکراتی رہتی ہیں، ساحل سمندر کے قریب ہی ایک مسجد میں ہم لوگوں نے ظہر وعصر کی نمازیں ادا کیں، اس محلے سے گزرتے ہوئے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہم ہندوستان کے کسی بڑے شہر کے قدیم محلے میں ہیں، یہاں کتب خانوں کی بڑی تعداد ہے؛ بلکہ جس مسجد میں ہم لوگوں نے نماز ادا کی، اس کے راستہ میں ایک

کنارے سے دوسرے کنارے تک دورویہ عمارتیں ہیں، جوزیادہ تر بک ڈپو ہیں، اوران میں نئی مطبوعات کےعلاوہ قدیم کتابیں بھی دستیاب ہیں۔

یہاں ہم لوگوں کوقصیدہ بُردہ کے مصنف امام بوصیریؒ (محمد بن سعید بن حماد : ۶۰۸ -۶۹۶) کی قبر کی زیارت کا موقع ملا،آپ کی وجہ شہرت قصیدہ بُردہ ہے، یہ قصیدہ عالم اسلام کے ہرگوشے اور خطے میں پڑھا اور سنا جاتا ہے،جس طرح یہ قصیدہ نعت رسول پاک میں لاجواب اور بےمثل ہے، اس قصیدہ کا محرک اور باعث بھی اتنا ہی ایمان افروز اورعشق رسول کے جذبات کوموجزن اور متلاطم کر دینے والا ہے، امام بوصیری کہتے ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ کی شان میں چند قصائد لکھے تھے کہ اسی دوران مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اور نیچے سے نصف بدن مفلوج ہوگیا،اس حادثہ کے بعد بھی میں آپ ﷺ کی نعت کہنے کی فکر میں ہی مستغرق تھا کہ یہ قصیدہ تیار ہوگیا، میں نے اسی قصیدہ کے وسیلہ سے اللہ سے صحت کے لئے دُعاء کی، اور سوگیا، میں خواب میں حضور پاک ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوا، آپ ﷺ نے میرے چہرہ پر اپنا دست مبارک پھیرا، مجھ پر اپنی چادر ڈال دی، پھر جب میں بیدار ہوا تو پوری طرح سے صحت مند تھا، اور فالج کے مرض کا دُور دُور تک کوئی نام ونشان نہیں تھا؛ چوں کہ آپ ﷺ نے امام بوصیری پر اپنی چادر ڈال دی تھی اور عربی میں چادر کو بُردہ کہتے ہیں، اسی وجہ سے یہ قصیدہ ''قصیدہ بُردہ'' کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اسی جگہ ان کے استاذ شیخ ابوالعباس مرسیؒ کی قبر بھی ہے، اور یہیں پر ان کے نام سے بنی ہوئی مرسی مسجد بھی ہے، ان کے علاوہ حضرت دانیال نبی علیہ السلام اور حکیم لقمانؒ کی قبروں کی زیارت کا بھی موقع ملا، حکیم لقمان کو بعض لوگوں نے نبی قرار دیا ہے؛ لیکن زیادہ تر اہل علم نے ان کو ولی قرار دیا ہے نہ کہ نبی، اسکندریہ کونسبتاً مصر کا سستا شہر مانا جاتا ہے؛ اسی لئے گائیڈ نے وہاں لوگوں کو کچھ خرید وفروخت کے لئے بھی وقت دیا، اور شرکاءِ سفر نے اپنے اپنے منشاء کے مطابق خریداریاں کیں، بہرحال رات کے تقریباً ۱۰ر بجے ہم لوگ قاہرہ میں اپنے ہوٹل واپس آ گئے۔

واپسی کا دن

۱۳؍جنوری ہم لوگوں کی مصر سے واپسی کی تاریخ تھی، جامعہ ازہر کے کچھ طلبہ جو ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں، کا بار بار فون آرہا تھا کہ جامعہ میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ ملاقات کے خواہاں ہیں؛ چنانچہ ناشتہ سے پہلے ہی عزیزی مولوی محمد ایمن ظفر، مولوی فضل الرحمٰن ازہری، اور مولوی مکرم علی سلمہم اللہ تعالیٰ اپنے بعض رفقاء کے ساتھ ہوٹل پہنچ گئے، انھوں نے کہا کہ قافلہ کے لوگوں کو جانے دیں اور آپ ہم لوگوں کے ساتھ آجائیں، جب یہ قافلہ جامع ازہر کی زیارت کے لئے آئے گا تو ہم لوگ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے، یا سیدھے آپ کو لے کر ایئرپورٹ پہنچ جائیں گے، مجھے بھی اس تجویز سے بڑی خوشی ہوئی، مولوی ایمن ظفر سلمہ دارالعلوم مئو کے فارغ ہیں، اور کچھ عرصہ ان کا قیام میرے ساتھ حیدرآباد میں بھی رہا ہے، اس وقت جامعہ ازہر سے اُصولِ فقہ میں ماسٹر کر رہے ہیں، مولوی فضل الرحمٰن پی ایچ ڈی کر رہے ہیں، اور وہاں کے شعبۂ معہد اللغۃ العربیۃ لغیر الناطقین میں خدمت بھی انجام دے رہے ہیں، ان کے والد مرحوم جامعہ رحمانی مونگیر میں میرے ہم عصر تھے، اور مولوی مکرم علی سلمہ میرے دوست مولانا ظفیر علی عمری صاحب (حال مقیم امریکہ وسابق استاذ: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد) کے عزیز ہیں، مولوی عبدالاحد رحمانی جو المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد سے فقہ میں تخصص کر چکے ہیں، وہ بھی اس وقت یہیں زیر تعلیم ہیں؛ چنانچہ میں ان عزیزوں کے ساتھ روانہ ہوا، اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہمیں کم وقت میں بہت سارے بزرگوں کی قبروں کی زیارت کا شرف حاصل ہو گیا۔

ہم لوگ ہوٹل سے سیدھے جامع عمرو ابن العاصؓ پہنچے، یہ براعظم افریقہ میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے، مسجد کے ایک گوشے میں مکتبہ ہے، جو دراصل حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ کا مقبرہ ہے، جن کو صحابہ میں بہ کثرت روایتِ احادیث کا امتیاز حاصل تھا، پھر حضرت مسلمہ بن مخلدؓ کی مسجد جانے کی سعادت حاصل ہوئی، اسی مسجد سے متصل ان کی قبر مبارک بھی ہے، صحابہ کی قبروں میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی قبر پر بھی جانے کا موقع ملا، اس سے متصل بھی

ایک بڑی مسجد ہے، اسی مسجد کے ایک کونہ میں چھوٹی سی قبر ہے، جس کا زیادہ تر حصہ زیرِ دیوار ہے، یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی قبر ہے، معلوم ہوا کہ اہل تشیع کے خوف سے ان کی قبر کو چھپا کر رکھا گیا ہے؛ کیوں کہ وہ قبروں کے ساتھ بدسلوکی کیا کرتے ہیں، اللّٰھم اھدھم الصراط المستقیم۔

کربلا کے کرب کے بعد جب اہل بیت اطہار کو بنواُمیہ کے ظالم اور خبیث سپاہی قیدی بنا کر دمشق لے گئے، تو بہت سے اہل بیت وہاں سے مصر چلے گئے؛ اسی لئے قاہرہ میں متعدد اہل بیت بزرگوں کی قبریں موجود ہیں، اور زائرین وہاں بکثرت آتے رہتے ہیں؛ چنانچہ اہل بیت میں سے حضرت زینب بنت حسینؓ اور امام محمد جعفر صادقؒ کی صاحبزادی سیدہ عائشہؒ یہیں آسودۂ خواب ہیں، اور ان کی قبروں کے ساتھ عظیم الشان مسجدیں بنی ہوئی ہیں، محمد ابن حنفیہؒ کی قبر بھی یہیں ہے، جو حضرت علیؓ کے صاحبزادۂ گرامی قدر ہیں، اور حضرت علیؓ کی دوسری اہلیہ خولہ بنت جعفر بن قیس الحنفیہ کے بطن سے ہیں، جمل اور صفین کی جنگوں میں اپنے والد گرامی کے ساتھ شریک اور عَلَم بردار رہے، یہیں اہل بیت کی ایک خاتون سیدہ نفیسہؒ بنت حسن بن زید ابلج بن حسن بن ابی طالب (۱۱ربیع الاول: ۱۴۵ھ - رمضان: ۲۰۸ھ) کی بھی قبر ہے، آپ بڑی عالمہ فاضلہ تھیں، بچپن ہی سے علم کا شوق تھا اور لوگ خاندانی نسبت اور علمی وجاہت کی وجہ سے بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔

جامع ازہر کے سامنے مسجد حسینؓ ہے، غالباً معتبر طور پر تو یہ بات ثابت نہیں؛ لیکن بعض حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضرت حسین کا سر مبارک ...... جو بنواُمیہ کے غارتگر نیزے پر اُٹھا کر دمشق لائے تھے...... بعد میں وہ دمشق سے قاہرہ لایا گیا، اور فاطمی دور حکومت میں اسی جگہ سرِ مبارک کی تدفین عمل میں آئی، (واللہ اعلم) اس سے متصل بہت ہی خوبصورت اور وسیع مسجد ''جامع حسینؓ'' کے نام سے ہے، جہاں زائرین کا بڑا اژدہام ہوتا ہے، یہ جگہ اس درجہ مشہور اور زیارت گاہ عام وخاص ہے کہ اگر عام ٹیکسی والوں سے جامع ازہر چلنے کو کہا جائے تو ان کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے؛ لیکن جامع حسین سے ہر عام وخاص واقف ہیں، راقم الحروف نے دیکھا کہ یہاں زائرین کی بڑی تعداد بوہرہ فرقہ کے لوگوں پر مشتمل ہے۔

جیسے بغداد ایک زمانہ میں اہل علم کا مرکز تھا، اسی طرح بغداد کی تباہی کے بعد قاہرہ اہل علم کا مرکز بن گیا تھا اور بڑے بڑے فقہاء، محدثین، صوفیاء اسی خطہ میں خیمہ زن ہوئے تھے، ان ہی میں حضرت امام شافعیؒ ہیں، جو حجاز سے عراق اور پھر عراق سے مصر پہنچے، اور یہیں سے ان کا چشمۂ فیض جاری ہوا، ان کی قبر پر بھی حاضری کی سعادت ہوئی، ایک بڑے فقیہ مجتہد امام لیث ابن سعدؒ تھے، جو مصر ہی کے رہنے والے تھے اور جن کے بارے میں امام شافعیؒ کہا کرتے تھے کہ یہ امام مالک سے بڑھ کر فقیہ ہیں؛ لیکن ان کے شاگردوں نے ان کو ضائع کر دیا، یعنی ان کے علوم جمع کرنے کا اہتمام نہیں کیا، ان کی قبر پر بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، ان کے مقبرہ کا احاطہ کافی وسیع ہے، کئی محدثین بھی اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں، ان ہی میں علامہ زیلعی حنفیؒ، بخاری کے شارحین علامہ بدرالدین عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ قسطلانیؒ بھی شامل ہیں، علامہ عینی اور علامہ قسطلانی کی قبریں ایک ہی عمارت میں ہیں، اسی میں اس جگہ کو بھی محفوظ و ممتاز رکھا گیا ہے، جہاں علامہ عینیؒ کا درس ہوا کرتا تھا، جب کہ حافظ ابن حجرؒ کا درس جامع ازہر میں ہوا کرتا تھا۔

کاروان صوفیاء کے سرخیل ذوالنون مصریؒ کی قبر بھی یہیں ہے، یہاں بھی حاضری کی سعادت ہوئی، یہاں ایک مقبرہ پر رابعہ بصریہ عدویہ کا نام بھی لکھا گیا ہے، اور اہل مصر کا دعویٰ ہے کہ یہی ان کی قبر ہے؛ لیکن ہم لوگوں کو فلسطین میں بھی ایک ایسی قبر کی زیارت کا موقع ملا تھا، جو حضرت رابعہ بصریہ کی طرف منسوب ہے، (واللہ اعلم) معلوم ہوا کہ یہیں صاحب جلالین علامہ جلال الدین سیوطیؒ بھی آسودۂ خاک ہیں؛ حالاں کہ میں بہت تھک چکا تھا؛ لیکن میں نے کہا کہ علامہ سیوطیؒ ہم لوگوں کے براہ راست محسن ہیں؛ کیوں کہ ان کی تفسیر جلالین پڑھی بھی ہے اور پڑھائی بھی ہے؛ اس لئے مجھے بہر قیمت ان کی قبر تک پہنچنا ہے؛ چنانچہ وہاں بھی فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، مصری حکمرانوں میں ابن طولون کی بنائی ہوئی مسجد قابل دید ہے اور افریقی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے، مصر میں عام طور پر سمت قبلہ میں نماز کی صفیں ہوتی ہیں،

بقیہ تین طرف سے برآمدے ہوتے ہیں، جیسا کہ ہم مسجد نبوی میں دیکھتے ہیں، یہ مسجد بھی اسی طرز پر ہے، یہاں بھی حاضری ہوئی، اسی طرح قاہرہ کی مشہور مسجدوں میں مسجد سلطان اور مسجد رفاعی کے سامنے سے بھی گزرنے کا موقع ملا۔

قاہرہ کا قبرستان ایک انوکھا قبرستان ہے، جو بہت بڑے حصہ میں پھیلا ہوا ہے، قبرستان میں ہر خاندان نے اپنی جگہ محفوظ کر لی ہے، اور نہ صرف اس کی احاطہ بندی کر رکھی ہے؛ بلکہ اکثر احاطوں کو مکان کی شکل دے دی گئی ہے، معلوم ہوا کہ اس میں تہہ خانے بنے ہوئے ہیں، اسی کے اندر لاش رکھ دی جاتی ہے، اور بعض مقبرے تو ایسے بھی ہیں کہ اسی میں صاحب خانہ بھی رہتے بھی ہیں، اور مردے کی بھی تدفین ہوتی ہے، پورا علاقہ ابتر حالت میں ہے، اور کچی سڑکوں پر مشتمل ہے، صفائی ستھرائی کی بھی بہت کمی ہے، اتفاق سے اس دن موسم بھی خراب تھا، ابر چھایا ہوا تھا اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، اس کی وجہ سے بہت دشواری پیش آرہی تھی، کچھ دور تو ٹیکسی گئی؛ لیکن جب ٹیکسی کا راستہ نہ رہا تو وہاں سے ازہر کے طلبہ نے آٹو فراہم کرنے کی کوشش کی، وہاں زیادہ تر آٹو ہندوستان ہی کے سپلائی کئے ہوئے ہیں، اور اس کو ''ٹُک ٹُک ہندی'' کہا جاتا ہے، پھر جہاں آٹو نے ساتھ چھوڑ دیا، وہاں سے پیدل راستہ طے کیا گیا، اس طرح تکان تو بہت ہوگئی؛ لیکن جن بزرگوں کی قبر پر حاضری کا موقع ملا، ان کی نسبت سے زبردست روحانی مسرت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں بھی ان کے قدموں میں جگہ مل جائے۔

جامعہ ازہر میں

جامع ازہر دراصل ایک عظیم الشان مسجد ہے، جس کی بنیاد فاطمی حکمراں معز الدین باللہ کے حکم سے رکھی گئی تھی، ۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۳۵۹ھ کو اس کی بنیاد پڑی اور ۷؍ رمضان المبارک ۳۶۱ھ میں اس کا افتتاح ہوا، اس مسجد کا نام پہلے ''مسجد القاہرہ'' تھا، پھر جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت سے اس کا نام جامع ازہر پڑ گیا، مذکورہ فاطمی فرماں روانے

اعلان کر دیا کہ یہ سرکاری مسجد ہوگی، اور یہاں سے شیعہ مذہب کی اشاعت عمل میں آئے گی، پھر دینی علوم کے ساتھ ساتھ وہاں طب، فلکیات اور دیگر علوم کی تعلیم بھی ہونے لگی، تقریباً ۲۰۰ر سال یہ مسجد شیعی افکار کی تعلیم واشاعت کا مرکز بنی رہی، یہاں تک کہ ۱۱۷۱ء میں صلاح الدین ایوبیؒ کے ہاتھوں میں مصر کی قیادت آئی تو آپ نے طلبہ و اساتذہ کے لئے بڑے اوقاف جاری کئے اور یہ مسجد اہل سنت والجماعت کے افکار وعقائد کی اشاعت کا مرکز بن گئی، یہاں سے بڑے بڑے علماء، فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے، جن میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، علامہ سخاویؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ ابن خلدونؒ اور بعد کے لوگوں میں علامہ جمال الدین افغانیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

مملوکوں کے دور یعنی آٹھویں نویں صدی ہجری کو جامع ازہر کے عروج کا دور سمجھا جاتا ہے، اُس وقت یہاں اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ علم الادویہ، ریاضی، فلکیات، جغرافیہ اور تاریخ وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی، پھر سلطنت عثمانیہ نے اپنے گراں قدر عطیات کے ذریعہ اس کو ایک خود مختار ادارہ بنا دیا، اور شیخ الازہر کے منصب کو اہل مصر کے لئے مخصوص کر دیا، اس کے بعد شیخ محمد عبدہ کے عہد میں جامع ازہر کے نظام میں جوہری تبدیلیاں ہوئیں، ۱۹۳۰ء میں اسلامی و عربی علوم کو تین شعبوں میں تقسیم کر کے تین کالج قائم کئے گئے: کلیۃ اصول الدین، کلیۃ الشریعۃ اور کلیۃ اللغۃ العربیۃ، پھر ۱۹۶۱ء میں سرکاری فرمان کے تحت دیگر عصری علوم کے شعبے قائم ہوئے، اب جامع ازہر دنیا کی قدیم ترین اور عالم اسلام کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے، جس میں آٹھ لاکھ طلبہ زیر تعلیم ہیں، اور سو سے زیادہ ملکوں سے تعلق رکھنے والے ۵۰ر ہزار غیر ملکی طلبہ ہیں۔

اگر چہ اب جامع ازہر ''جامعہ ازہر'' بن چکا ہے، اس کے کالج دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں؛ لیکن ایک اچھی بات یہ ہے کہ حکومت مصر نے مسجد کی تعلیم کا قدیم نظام ابھی بھی باقی رکھا ہے، ابھی بھی اس وسیع وعریض مسجد کے مختلف گوشوں میں مختلف اساتذہ الگ الگ مضامین

اور کتابوں کا درس دیتے رہتے ہیں، جو طالب علم جس درس میں شرکت کرنا چاہتا ہے، اس میں شریک ہوتا ہے، اور تکمیل پر اس کی سند بھی دی جاتی ہے، اسی میں ایک حلقۂ خواتین کی تعلیم کے لئے بھی ہے، بجا طور پر مصر کے لوگوں کو اس ادارہ پر ناز ہے، وہ اس کو بہت تقدس کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور شیخ الجامعہ ''امام'' یا ''امام اکبر'' کہلاتے ہیں، عام طور پر مصر اور اس کے پڑوسی ملکوں میں ازہر کے فضلاء ہی دینی خدمتیں انجام دیتے ہیں؛ مگر افسوس کہ مغربی ممالک کے دباؤ کی وجہ سے مصری حکومت جامعہ ازہر پر دباؤ ڈال رہی ہے اور جامعہ ازہر نے اپنے نصاب سے وہ تمام چیزیں نکال دی ہیں، جن کو مغرب نے نکالنے کا حکم دیا ہے، جیسے: آیات جہاد اور اہل کتاب سے متعلق آیتیں، اس سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مقرر کئے ہوئے اِس اُصول کی حکمت و اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو سرکاری امداد سے دُور رکھا جائے۔

ہندوستان کے جو طلبہ جامع ازہر میں مقیم ہیں، ان کا اصرار تھا کہ کچھ وقت ان کے لئے رکھا جائے، اور بقول ان کے کچھ نصیحت کی جائے؛ چنانچہ مسجد کے ایک گوشہ میں ان طلبہ کے ساتھ بیٹھ گیا، اور بر وقت جو باتیں ذہن میں آئیں، وہ عرض کی گئیں، اول یہ کہ علماء کہیں بھی جائیں، اپنی شناخت قائم رکھیں، اور اپنی زندگی کے لئے اختلافی مسائل میں اس نقطۂ نظر کو اختیار کریں، جو شک و شبہ سے بالاتر ہو، اور جو اس عہد کے صالحین کے طریقۂ کار سے ہم آہنگ ہو، میں نے مثال دی کہ جیسے مصر کے بیشتر علماء نے بعض شوافع کے ایک شاذ قول کو بنیاد بنا کر کہا کہ داڑھی سنن عادیہ میں سے ہے نہ کہ سنن شرعیہ میں سے، یعنی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا داڑھی رکھنا عربوں کے قدیم عرف کی بناء پر تھا نہ کہ حکم شرعی کی بناء پر، یہ ایک شاذ قول ہے، خود فقہاء شوافع نے بھی اس پر فتویٰ نہیں دیا؛ لیکن مصر و شام کے علماء نے عمومی طور پر اس قول کو اختیار کر لیا، ظاہر ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایات اور سلف صالحین کے متوارث عمل کے خلاف ہے، جب یہودی رِبّیوں اور قبطی عیسائی پادریوں کے ساتھ علماء اسلام کی تصویریں آتی ہیں تو ہم جیسے لوگوں کو بڑا قلق ہوتا ہے کہ دوسرے مذہبی رہنماؤں کی تو بھرپور داڑھیاں ہیں

اور ہمارے علماء کا چہرہ صاف ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ مصر سے اسلامی علوم کی سوغات لے کر واپس ہوں؛ لیکن مرعوبیت پر مبنی طرز عمل کو نہ خود اختیار کریں اور نہ اس کو لے کر اُمت کے درمیان جائیں۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ آپ کی فکر میں اعتدال ہونا چاہئے، نہ یہ بات درست ہے کہ مغرب سے جو کچھ آئے آنکھ بند کر کے اسے قبول کر لیا جائے اور دین کو پیمانہ بنانے کی بجائے اپنی یا سماج کی چاہت کو پیمانہ بنا کر اسلام کو اس کے سانچے میں ڈھالا جائے، اور نہ یہ درست ہے کہ مسلک کو دین کا اور اپنے مکتب فقہ کو شریعت کا درجہ دے دیا جائے، اور اس کے ایک ایک حرف پر اصرار کیا جائے، توازن اور اعتدال ضروری ہے، علماء اگر اعتدال سے محروم ہو جائیں تو اس کا اثر دو صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، اگر سہولت پسندی میں غلو ہو تو راہ صواب سے انحراف، اور بے جا شدت ہو تو دین سے نفرت۔

تیسری ضروری بات یہ ہے کہ عالم کو علم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ ساتھ دینی غیرت وحمیت کا حامل بھی ہونا چاہئے، یہ اس خشیت کا اولین تقاضہ ہے، جس کو قرآن مجید نے علماء کا وصف قرار دیا ہے: ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا'' (سورۂ فاطر: ۲۸) چنانچہ ہندوستان میں ہمارے بزرگوں نے جو ادارے قائم کئے، ان میں اس بات کا لحاظ رکھا کہ ان مدارس سے جو لوگ پیدا ہوں، ان کے پاس صرف معلومات کا ذخیرہ نہ ہو؛ بلکہ دین کے لئے مَر مِٹنے کا جذبہ بھی ہو، اسی جذبہ کے تحت ہندوستان میں جب بھی ارتداد کا فتنہ اُٹھا، علماء اس کے مقابلہ کے لئے کمر بستہ ہو گئے؛ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ وقت کی نزاکت کے لحاظ سے وقتی طور پر مدرسہ کی خدمت موقوف کر کے انھوں نے اسلام کے تحفظ کو اپنی مہم بنا لیا، اگر یہ نہ ہوتا تو عیسائیت، آریہ سماجیت، قادیانیت اور انکار حدیث وغیرہ کا فتنہ جس شد و مد کے ساتھ اُٹھا تھا، وہ عمومی طور پر مسلمانوں کو ارتداد و گمراہی کے فتنہ میں بہا لے جاتا؛ اس لئے علماء کو ہر قیمت پر اس جذبہ کو باقی رکھنا چاہئے۔

بہر حال جامع ازہر کی اس مختصر سی نشست کے بعد میں باہر نکلا تو ایک طرف کتب خانوں کی ٹھیک اسی طرح قطار تھی، جیسی دیوبند میں یا لاہور کے اُردو بازار میں نظر آتی ہے، اسی طرح تنگ سڑکوں کے دونوں طرف دوکانوں کی قطاریں، اور لوگوں کی بھیڑ بھاڑ بھی اسی انداز کی تھی، جیسے جامع مسجد دہلی کے پاس ہوتی ہے، ویسے بھی معیار زندگی میں مصر اور ہندوستان کے درمیان کافی مماثلت نظر آتی ہے، شارع عام کے علاوہ پتلی سڑکیں ہیں؛ بلکہ بعض جگہ تو سڑکیں گلیوں میں تبدیل ہوگئی ہیں، عمارتیں بھی زیادہ تر سادہ قسم کی ہیں، ہندوستان میں بہت سے شہروں میں لوگ دیواروں کو پلاسٹر کے بغیر چھوڑ دیتے ہیں، مصر میں بھی یہ منظر کثرت سے نظر آتا ہے، صفائی ستھرائی کا نظام بھی ناقص ہے، ہندوستان میں تو شہروں کے اندر کچی سڑکیں شاذ ونادر ہی نظر آتی ہیں؛ لیکن قاہرہ جیسے شہر میں بھی اندرونی علاقوں میں بکثرت کچی سڑکیں اور کھلے ہوئے نالے پائے جاتے ہیں، عام طور پر عرب ملکوں میں حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے خوردنی اشیاء ڈھک کر رکھی جاتی ہیں؛ لیکن یہاں برصغیر ہی کی طرح کھلے ہوئے سامان بیچنے اور سر راہ کھانے کی اشیاء کے تلنے کا عام رواج نظر آیا، گاڑیاں بھی ہندوستان کے مقابلہ کم درجہ کی ہیں، کاریں اور ٹیکسیاں عام طور پر غبار آلود نظر آتی ہیں، لگتا ہے کہ یہاں عام لوگوں میں بھی صفائی ستھرائی کا اہتمام کم ہے، ظاہر ہے کہ یہ سب حکومت کی لاپرواہی اور عوام کی بے شعوری و بے توجہی کا نتیجہ ہے، خاص کر موجودہ حکومت کے آنے کے بعد سے وہاں کی معاشی ترقی تھم سی گئی ہے، مہنگائی بہت بڑھ گئی ہے، اور جہاں ایک امریکی ڈالر چار مصری پاؤنڈ کے برابر ہوا کرتا تھا، اب اٹھارہ مصری پاؤنڈ کے برابر ہوتا ہے۔

جامع ازہر کی اس مختصر زیارت نے تشنگی اور بڑھا دی؛ لیکن نظام سفر طے تھا اور آج ہی ہم لوگوں کی واپسی کی فلائٹ تھی؛ اس لئے اس تمنا کے ساتھ رخصت ہوا کہ کوئی سفر خاص طور پر مصر کا کیا جائے؛ تاکہ اس اہم مسلم ملک کے تعلیمی اور مذہبی اداروں کو قریب سے دیکھا جاسکے، جامعہ ازہر کے نظام تعلیم وتربیت کو سمجھا جائے اور یہاں کے تاریخی مقامات پر تفصیلی نظر ڈالنے کا موقع ملے، بہر حال ہمارا قافلہ وہاں سے نکل کر راستہ میں ایک جگہ کھانے کے لئے اُترا، جب سے

ہم لوگ مصر پہنچے تھے، احباب کو آج ہی کا کھانا سب سے زیادہ پسند آیا؛ ورنہ ان ملکوں کا بے مسالہ اور اُبالا ہوا کھانا اور سالن لوگ بہ مشکل حلق سے اُتارتے تھے، ہم لوگ تیز تیز قاہرہ ایئر پورٹ پہنچے، قاہرہ انٹرنیشنل ایئر پورٹ عصری سہولتوں سے آراستہ صاف ستھرا ایئر پورٹ ہے، اور ایئر پورٹ پر نماز ادا کرنے کے لئے مخصوص جگہ کی سہولت بھی رکھی گئی ہے، رات کے تقریباً گیارہ بجے جب ہماری فلائٹ روانہ ہوئی اور جہاز سے قاہرہ پر نظر ڈالی تو شہر کی وسعت اور بے شمار بجلی کے چراغ بڑا اچھا منظر پیش کر رہے تھے، ایسا لگ رہا تھا کہ دُور دُور تک جگنو اپنی روشنی بکھیر رہا ہے۔

سیاسی صورت حال بہت ناگفتہ بہ ہے، لوگوں کی زبان پر ایسے قفل ڈال دیئے گئے ہیں کہ لوگ تنہائی میں بھی حکومت کے بارے میں کوئی تبصرہ کرنے سے ڈرتے ہیں، ان ملکوں میں جا کر احساس ہوتا ہے کہ ہمارا ملک بدرجہا بہتر ہے، یہاں اظہار رائے کی، مذہب پر عمل کرنے کی، حکومت کی غلطیوں پر ٹوکنے اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کی جو آزادی ہے، ان ملکوں میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ عالم اسلام اور عالم عرب میں سب سے بڑھ کر قائدانہ صلاحیت مصر کے اندر ہے، علماءِ مصر کی یہ لیاقت ہر اس شخص کے سامنے نمایاں طور پر آتی ہے، جو عالم اسلام یا عالم عرب کی کسی نمائندہ مجلس میں پہنچے، اور مختلف علماء کے خطابات اور مناقشات کو ملاحظہ کرے، مصر کی حکومت تو مذہب بیزار اور مغرب کے سامنے سربسجود ہے؛ لیکن عوام کے اندر اگرچہ عملی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، مگر عمومی طور پر ان کے اندر اسلام سے محبت اور شعائر اسلامی کی عظمت ہے، وہ بڑے ادب کے ساتھ علماء سے ملتے ہیں، مجھے بھی بار بار اس کا تجربہ ہوا، اسی طرح حکومت اگرچہ اسرائیل کی دوست ہے اور اس نے مسلم ملکوں سے بڑھ کر اسرائیل سے اپنا تعلق رکھا ہے؛ لیکن عوام کو اسرائیل سے سخت نفرت ہے، یہاں کی فرعونی حکومت نے تو الاخوان المسلمون پر بہت ہی بے جا پابندیاں لگا رکھی ہیں، ان کے رہنماؤں کو پسِ دیوارِ زنداں کر قید رکھا ہے، اور ایک منتخب حکومت کو معزول کر کے اپنا تسلط

قائم کرلیا ہے؛ لیکن دینی جذبہ رکھنے والے عوام، تعلیم یافتہ لوگ اور دین پسند حضرات پر آج بھی اِخوان کا بہت اثر ہے، وہ مرسی کے مختصر دور کو ایک سنہرا دور باور کرتے ہیں، اور واقعہ ہے کہ عالم اسلام کو اخوان جیسی جماعت کی ضرورت ہے، جو تشدد سے بچتے ہوئے پُرامن اور جمہوری طریقہ پر اعتدال کے ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام کو لانے کی کوشش کرے؛ البتہ ہوسکتا ہے کہ حالات کے تقاضوں کے تحت طریقۂ کار میں کسی قدر تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جائے۔

اس بات کو دیکھ کر افسوس ہوا کہ حالاں کہ قاہرہ میں ہر طرف مسجد کے بلند مینارے نظر آتے ہیں اور بڑی عظیم الشان اور وسیع وعریض، خوبصورت مسجدیں ہیں؛ لیکن :

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

عام طور پر نمازیوں کی تعداد بہت کم ہوتی ہے، بے اعتنائی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں نہ صرف کرسیوں کی بہتات ہے؛ بلکہ آخری صفوں میں کئی لائنیں طویل بینچوں کی ہیں، جب نماز ہوتی ہے تو ایک ڈیڑھ صف امام کے قریب ہوتی ہے، درمیان میں پوری مسجد خالی رہتی ہے اور کچھ لوگ بالکل آخر میں بینچ پر بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں؛ اگرچہ مسجد کے اندر اس خلاء کے باوجود نماز درست ہوجاتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ معمولاً ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں، اور اس سے نماز کے سلسلہ میں لوگوں کی بے اہتمامی ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح جہاں شہر کے قدیم محلوں میں باقاعدہ برقعہ پوش خواتین نظر آتی ہیں، وہیں نئے شہر میں صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ مغربی تہذیب کا فتنہ مصر میں اپنے قدم مضبوط کررہا ہے؛ بلکہ کر چکا ہے، اور حکومت اس کو تقویت پہنچا رہی ہے، مغربی سازش کا ایک حصہ یہ ہے کہ مصر کو اسلامی تاریخ سے کاٹ کر فراعنہ کی تاریخ سے جوڑا جا رہا ہے، فرعون کے نام سے دوکانیں ہیں، مختلف چیزیں فرعون کی تصویر کے ساتھ فروخت کی جاتی ہیں، فرعون کے مجسمے نصب کئے گئے ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لوگ فرعون سے نفرت کرنے کی بجائے اس کو اپنے لئے آئیڈیل اور وجہ وقار تصور کرتے ہیں، جو قوم اپنی تاریخ، اپنی نمائندہ شخصیتوں اور قابل تقلید

قیادتوں سے کٹ جاتی ہے، وہ آہستہ آہستہ اپنی فکر سے بھی محروم ہو جاتی ہے، اس پر توجہ کی ضرورت ہے، اور عجیب بدبختی ہے کہ ترکوں کے زوال کے بعد سے محمد مرسی کے مختصر دور کو چھوڑ کر اس ملک پر مسلسل فرعون صفت حکمرانوں کا اقتدار قائم ہے، اور اس تسلسل نے وہاں کے اسلامی تشخص کو بے حد نقصان پہنچایا ہے، والی اللہ المشتکی۔

اللہ تعالیٰ اس صورت حال سے پورے عالم اسلام خصوصاً عالم عرب کی حفاظت فرمائے، آمین۔

● ● ●

معہد کی نوتوسیع شدہ مسجد جو قریب التکمیل ہے

المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد انڈیا

AL MAHAD UL AALI AL ISLAMI, HYDERABAD

Taleemabad, Quba Colony, P.O. Pahadi Sharif, Hyderabad, 500 005 (T.S.) INDIA.
+91 9959642747
ksrahmani@yahoo.com www.khalidrahmani.com

Al- Alam Urdu Computers Hyd. +91 9959897621